سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

۹

جنوری تا مارچ ۲۰۱۶ء

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف (اٹک)
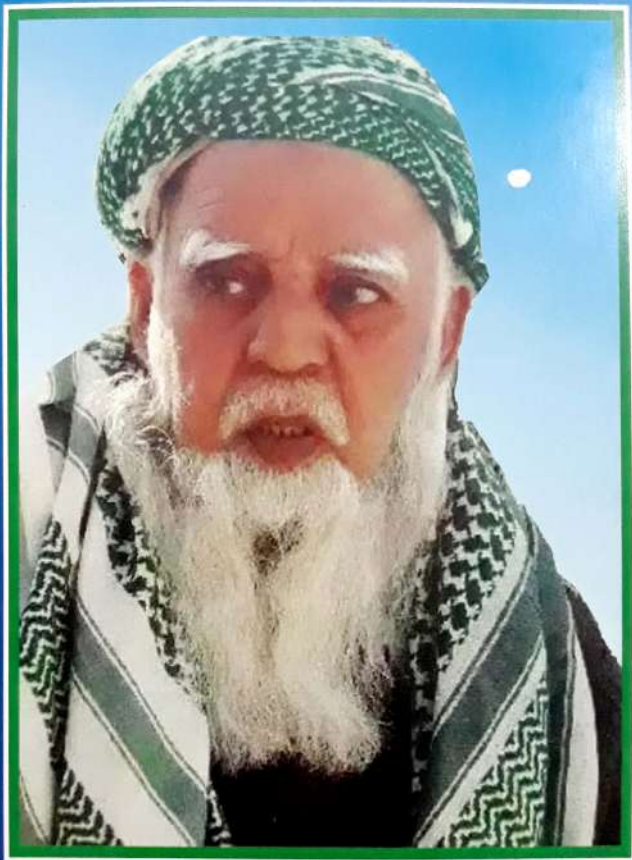
حضرت خواجہ غلام معین الدین چشتی مدظلہ العالی

سجادہ نشین دربارِ عالیہ ٹبہ شریف، ترگ (میانوالی)

٩

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سہ ماہی مجلّہ — جنوری تا مارچ ۲۰۱۶ء

قندیلِ سلیمان

مکھڈ شریف (اٹک)

ہدیہ سالانہ پانچ سو روپے

فی شمارہ 150 روپے

سرکولیشن منیجر: فدا حسین ہاشمی — سرورق اینڈ کمپوزنگ: یاسر اقبال، اسلام آباد — تصاویر: محمد زاہد محمود

پرنٹرز/ پبلشرز:۔ نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف، (اٹک)

فون: 0333-5456555, 0346-8506343, 0343-5894737, 0334-8506343

ای میل: sajidnizami92@yahoo.com

فہرستِ مندرجات

❁ ❁ ❁

صلی اللہ علیہ وسلم

اداریہ

جمادی الاول ۱۴۳۷ھ کا آغاز ہو چکا۔ ربیع اول و آخر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذکر کی محافل سے ہم نے اپنے مشامِ جاں کو معطر کیا۔ قریہ قریہ، گلی گلی آقائے نامدار کی آمد کی خوشیاں منائی گئیں۔ آپ کی ذات و صفات کے تذکرے چہار دانگِ عالم میں سنائی دیے۔ علامہ کی آواز میں یہ سرمدی ترانہ آج بھی ہمارے کانوں میں رس گھولتا ہے۔

وہ دانائے سُبل، ختم الرسل، مولائے کُل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

حضور ﷺ کی صورت و سیرت کے تذکروں نے ہمارے اندر کیا تبدیلیاں پیدا کیں؟ کیا ہم نے اپنے رسولِ پاک کو سوچنا شروع کر دیا؟ کیا صبح و مسا اُن کی یاد میں بسر ہونے لگے؟ کیا سوتے جاگتے اُنھیں کے نام کا ورد کرتے ہیں؟ کیا حیاتِ مستعار کے معاملات میں اُن کی سیرت مطہرہ ہمارے لیے مشعلِ راہ بنتی ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب ہم نے تلاشنے ہیں۔ آج ایک کٹیا سے لے کر معاشرہ تک اور پھر معاشرے سے مملکت تک کے باسی مصائب و مشکلات میں گھِر چکے ہیں۔ راہزن سے بڑھ کر راہبر سے خطرات لاحق ہیں۔ آپس کی رنجشیں اور ملامتیں ہمیں لحہ بہ لحہ ایک دوسرے سے دور کیے جا رہی ہیں۔ راہبر کی تلاش میں منزل ہاتھ سے جاتی رہی۔ میڈیا جو ہمارے بچوں اور ہماری نسلوں کی تربیت گاہ ہے۔ وہاں سے چند ایک چینلز کے سوا عریانی و فحاشی اور مغربیت کی تقلید کے علاوہ کچھ دیکھنے کو نہیں ملتا۔ یہاں کی خبر صرف اور صرف بہتا خون، ظلم و بربریت اور عریانی و فحاشی کے اشتہارات ہیں۔ خبر سے منسلک ہر چینل کی ایک خاص

ترتیب ہے جس میں ہر بُری خبر کی فوری ترسیل، تبصرے؛ جن کا ماحصل کچھ نہیں اور رات گئے
تہذیب کے دائرے سے کوسوں دور مزاح اور جگت بازی کے چند تیکھے جملوں پر اِن پروگرامات کا
اختتام۔ یہ ہیں ہماری نسلوں کے امیں ادارے؛ جنھوں نے ایک قوم کو پروان چڑھانا ہے۔ اگر ہم
احساس دروں کو پھر سے اُجاگر کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو کیا ہی خوب ہو۔ اِسی میں ہماری بقا
ہے۔ اپنا آپ ڈھونڈ نکالنا ریاضت بھی ہے اور عبادت بھی۔

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبالؔ اپنے آپ کو
آپ ہی گویا مسافر، آپ ہی منزل ہوں میں

○

قنادیل شاہ محمد سلیمان ؒ تونسوی سے بکھرتی روشنیاں چہار دانگِ عالم کو بقعہ نور بنا رہی
ہیں۔ قندیلِ سلیماں کا "نواں شمارہ" حاضر خدمت ہے۔ اِس شمارے میں وہی پرانے ساز
چھیڑے ہیں، جن کے لیے ہر لحہ نت نئی تانیں بے قرار رہتی ہیں۔ بقول علامہ عبدالعزیز خالد:

نت نئی بے قرار تانوں سے
ساز رہتا ہے مرتعش میرا

مدیر

☆☆☆☆

حمد

عقیل عیسیٰ خیلوی

مولا ! ترا ثبوت ہوں تیری دلیل ہوں — تو جانتا ہے میں ترا نقشِ جمیل ہوں !
عائد ہے مجھ پہ فرض ترے انکشاف کا — عرفانِ حق کی راہ میں اِک سنگِ میل ہوں
رکھتا ہوں تیری بخشش و رحمت کا آسرا — مانا گنہگار ہوں خوار و ذلیل ہوں
گم ہو رہی ہے عمرِ گریزاں نفس نفس — میں بھی ترے مذاقِ ہنر کا قتیل ہوں
آقا مجھے نویدِ مسیحا سے عشق ہے ! — مولا فدائے حسنِ دعائے خلیل ہوں
اعزاز کا سبب ہے فقط بندگی مری — یہ ناز ہے کہ بندۂ ربِّ جلیل ہوں
خلاقِ دو جہاں نے اُبھارے ہیں خال و خد — یکتائے روزگار ہوں میں بے عدیل ہوں
آواز دے رہی ہیں بہاریں بہشت کی — مرہونِ آرزوئے مئے سلسبیل ہوں

مولا تیرے کرم نے مذاقِ سخن دیا !
میں ورنہ ایک بندۂ عاجز عقیلؔ ہوں

☆☆☆☆☆

نعت رسول مقبول ﷺ

علامہ عبدالعزیز خالد

وہ قریشی جو بَنی سعد کے خیموں میں پلا
سلسلہ جس سے زمانے میں سیادت کا چلا

''سرخلیطس'' جسے لکھے لغتِ سُریانی
ہے بقولِ کُتبِ سابقہ جو ''اُخرایا''

وہ کہ شکّار بھی، وہّاب بھی، ذکّار بھی ہے
فکر ہے خامشی و نُطق تکلّم جس کا

رازِ پوشیدۂ آفاق عیاں ہے جس پر
لوحِ ناخواندہ کا حافظ ہے مگر ناخواندہ

سینہ معمور ہے اسرار خداوندی سے
لَیلۃُ البدر کے مہتاب سے روشن چہرہ

نبیِ مَلْحمہ بھی ہے، نبیِ رحمت بھی
جس کی صحبت سے ابوبکرؓ ہے عبدُالعُزّیٰ *

---

*(یا) عبدالکعبہ

جس کے ہاتھوں پہ مسلماں ہُوا اُس کا شیطاں
بوجھ قوموں کا وہ کاندھوں پہ اُٹھانے والا

جس کا سامانِ سفر بے سر و سامانی ہے
جس کو للچا نہ سکا مال و متاعِ دنیا

شدّتِ جُوع سے جو پیٹ پہ پتھر باندھے
جس کے در سے کوئی سائل نہ تہی دست گیا

شاق جس پر کہ گزرتی ہے ہماری تکلیف
فَهُوَ يُفْطِرُ يَوْماً وَيَصُومُ يَوماً

مجھ سے الکن کو کہاں اس کے بیاں کا یارا!
والدِ اُمّ حبیبہ سے سنو اس کی ثنا

اس رحیم و مترحّم سے پڑا سابقہ جب
قَالَ : مَا اَحْلَمَكَ، اَوْصَلَكَ، اَكْرَمَكَ!

ادھر اَعشیٰ سے سخنور کا بھی دیکھو انجام
حُرمتِ خَمر کے باعث جو مسلماں نہ ہُوا

کم ہے وحشی سے سعادت میں اُویسِ قرنی
رُوئے جانانہ کے جلوے سے جو محروم رہا

کوہ فاراں سے ہُوا مہرِ ابد تاب طلوع
اب کہاں مطلعِ انوار سعیر و سینا ؟

اُمّ الارواح ہے رُوح اس کی اَبُو آدم وہ
کُن کا ہر سلسلہ مرہونِ کرم ہے اس کا

راحت و مرحمت و توبہ و تسکیں کا سفیر
حُسنِ اخلاق کی تکمیل ہے مقصد جس کا

جس کے چہرے سے ہو ہر رات نیا چاند طلوع
ظلم و ظلمت کا وہ ہر نقش مٹانے والے

سر جھکاتا ہے فلک بہرِ قدمبوس وہاں
نظر آتے ہیں جہاں اس کے نقوشِ کفِ پا

سنگریزے بھی کفِ دست پہ تسبیح کریں
پتے پیڑوں کے دمِ دید پڑھیں: صَلِّ علیٰ!

نکہتِ کاکلِ مشکینہ سے از خود رفتہ
آہوانِ ختن و طرّہ کشایانِ خطا [1]

میں کہوں گنبدِ خضرا کو مقامِ مشہود
ہے یہ اک قطعہ زمیں عرشِ بریں کا ٹکڑا

فِی السَّمَاءِ لَاَمِین" وَ اَمِین فِی الْاَ رض
فرق جو بندہ و مولا کے ہے رتبے میں بجا

بزمِ کونین کی رونق ہے اسی کے دم سے
ہے فروغ رُخِ ساقی سے منور مینا

اس کو کہتا ہے خدا: اَنْتَ حَبِیْبُ الرَّحمٰن [2]
مرا محرم ، مرا محبوب ،مرا راہ نما

صادق وصدق ہے مصدوق وصَدوق وصدّیق
قاصر احصائے مکارم سے قلم ہے میرا

میں اس اُمّی کے اس اِرشاد پہ سر دھنتا ہوں
طالبِ علم پہ کرتے ہیں فرشتے سایہ

---

[1] ختا [2] اَنْتَ

مُصحفِ حسنِ دلارام کی تفسیر لکھوں
بُکسی اپنے کی حکایت میں نشہ ہے کیسا !

خوبیاں عیب تناہی سے منزّہ اس کی
ہوسکے بندۂ خاکی سے کہاں اس کی ثنا !

لب مرے شدتِ جذبات سے ہکلاتے ہیں
کون ہے سوختۂ بے سروساماں مجھ سا ؟

میں کروں اس کی غلامی بہ رضا و رغبت
وہ کہ ہے باعثِ مَنشا و مَعاد مَبدا

رات دن میری زباں محوِ مناجات رہے
کون ہے اس کے سوا مُونسِ وحشت میرا ؟

☆☆☆☆☆

منقبت حضرت خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ

امیر خسروؒ / مسعود قریشی

خرم رسید امشب کہ نگار خواہی آمد
سرِ من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد

ملا ہے رات یہ مژدہ کہ یار آئے گا
فِدا ہُوں راہ پہ جس سے سوار آئے گا

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
بہ اُمیدِ آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

غزالِ دشت ہتھیلی پہ سر لیے ہوں گے
اِس آس پر کہ تُو بہرِ شکار آئے گا

کششے کہ عشق دارد، نہ گذاردت بہ دیناں
بہ جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

کشش جو عشق میں ہے، بے اثر نہیں ہوگی
جنازہ پر نہ سہی ، بر مزار آئے گا

بہ لبم رسیدہ جانم، تُو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نمانم، بہ چہ کار خواہی آمد

لبوں پہ جان ہے، تو آئے تو رہوں زندہ
رہا نہ میں تو مجھے کیا کہ یار آئے گا

بہ یک آمدن ربودی، دل و دین و جانِ خسروؔ
چہ شود اگر بہ دینساں دو سہ بار خواہی آمد

فِدا کیے دل و دیں اِک جھلک پہ خسروؔ نے
کرے گا کیا جو تُو دو تین بار آئے گا

☆☆☆☆☆☆

قسط۔۔۔۳

نامۂ اعمال دیکھ!

علامہ مفتی آفتاب احمد رضوی ☆

گردو پیش کا نقشہ پیش نظر ہے۔ صبح ومسا کا دورانیہ رواں دواں ہے۔ آئے دن شر کی شورشیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ شر اور شیطان دندناتے پھر رہے ہیں۔ نفس اور ہوا و ہوس کے پجاری راج کر رہے ہیں۔ پیامِ خیر بہ زورِ بازو دبایا جا رہا ہے۔ نئی تاویلات، تشریحات اور تحریفات کا بازار گرم ہے۔

دن لہو میں کھونا تجھے، شب رات بھر سونا تجھے
خوفِ خدا، شرمِ نبی، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جب میری اُمت پندرہ کام کرنے لگے گی، تب ان پر بلا (امتحان) حلال ہوگی [امتحانات میں گھِر جائے گی۔

☆ جب مالِ غنیمت کو ذاتی مال سمجھیں۔

☆ امانت کو غنیمت سمجھیں۔

☆ زکوٰۃ کو ٹیکس اور تاوان سمجھیں۔

☆ آدمی اپنی بیوی کا فرمانبردار اور ماں کا نافرمان ہو جائے۔

☆ دوست سے وفا کرے اور باپ سے جفا کرے۔

☆ مساجد میں آوازیں بلند ہو جائیں۔

☆ مہتمم۔ جامعہ اسلامیہ، عیسیٰ خیل [میانوالی]

☆ قوم کا سردار اُن میں ذلیل ترین شخص ہو۔

☆ آدمی کی عزت اُس کے شر کے خوف سے کی جائے۔

☆ لوگ شراب پینے لگ جائیں۔

☆ ریشم کا لباس پہننے لگ جائیں۔

☆ گانے والیاں اور گانے باجے عام ہوں۔

☆ اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگ جائیں۔

پس اس وقت سرخ آندھی کا انتظار کرو۔ یا زمین دھنسنے کا انتظار کرو۔ یا شکلوں اور جسموں کے مسخ ہو جانے کا انتظار کرو۔ (کنز الاعمال، ج ۱۱، ص ۵۵) حقائق کی نقاب کشائی کرنے والے معلم کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات نے جس واضح، واشگاف اور بین، بیان سے سر بستہ رازوں کو طشت از بام فرمایا۔ اس کی مثال ممکن ہی نہیں۔

اگر عقلِ سلیم میسر ہے، دیدۂ عبرت حاصل ہے، دل زندہ سے تُو بہرہ مند ہے اور قوتِ احساس میں زندگی کی رمق باقی ہے۔ تب تو ہر سمیت راز ہائے سربستہ جلوہ کناں ہیں۔ اور سرِ عام یہ تمام حقائق روشن اور ظاہر ہیں۔ امانت میں خیانت کے نئے نئے ریکارڈ قائم کیے جار ہے۔ حرام خوری، کرپشن، اقربا پروری، فضول خرچیاں بلکہ شہ خرچیاں عروج پر ہیں۔ عوام الناس سے ٹیکس کے نام پر حاصل کردہ روپیہ اللے تللے میں اڑاتا پھر مونچھ کو تاؤ دے کر غرور و تکبر کے پیکر فرعانہ وقت بن کر دِن بدن مصروف عمل ہو کر نئی تاریخ رقم کر رہے ہیں۔

آج عمومی تاثر یہی ہے کہ زکوٰۃ کو حکم الٰہی، اسلامی نظام معیشت کا بنیادی نکتہ، غریب پروری کا ذریعہ نہیں بلکہ خراج، ٹیکس اور جرمانہ سمجھا جا رہا ہے۔ غریب جو کہ در بدری کا شکار ہے۔ نانِ جویں کے لیے ترس رہا ہے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا ہوا ہے۔ خشک ہونٹ، پچکے گال، بکھرے بال، پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ قلب کے دروازے پر دستک دے رہا ہے مگر اہلِ ثروت ہیں جو بیدار ہونے کا نام نہیں لے رہے۔ اپنی دولت پر سانپ کی طرح پھن پھیلائے مگن و مست ہیں۔

آبادی کا ایک بڑا طبقہ زن مرید بن چکا ہے۔ بیوی کی فرمائشوں میں جان گروی رکھ چکا ہے۔ مشورہ ہو یا حکم، صنفِ نازک سے لیا جاتا ہے۔ زندگی کے اتار چڑھاؤ اور پیچ وخم میں اپنی تمام تر توجہات کا مرکزِ اولین اسے بنایا جارہا ہے۔

والدین کے حقوق پامال کیے جا رہے ہیں۔ پھر بطور خاص والدہ کے مقام ومرتبہ کو بالائے طاق رکھا جارہا ہے۔ ماں کی ممتا مثلِ بسمل رقص کناں ہے۔ دل رنجیدہ نالہ کناں ہے۔ آنکھیں، آنسوؤں سے بوجھل ہیں تو آواز میں سوز ہے۔ جسم لرزیدہ تو دل پھر بھی لختِ جگر کا گرویدہ ہے۔ دانائے راز ﷺ کا فرمانِ حقیقت نشان اپنی صداقت خود ہی منوا رہا ہے۔ کاش اس پر کان دھرے جاتے اور عمل کے سانچے میں ڈھالا جاتا۔

دوستیاں، مطلب ومفاد کے بندھن میں بندھی ہوئی ہیں۔ خودغرضی کی دھوپ میں تعلق کا سایہ کیسے دیر پا رہ سکتا ہے۔ والد کو چھوڑ کر محض وقتی مفاد کی خاطر دوستوں کو پیانِ محبت سے سرفراز کرنا کتنا عجیب ہے۔ باپ جس نے محبتوں کی چھاؤں میں نفرتوں کی دھوپ سے بچایا۔ خون پسینے کی کمائی سے کھلایا پلایا، عنفوانِ شباب پر لے آیا۔ اپنی خواشات کو اپنی اولاد پر قربان کیا۔ ہر لحہ خیال رہا، ہر گھڑی سوچ رہی کہ اولاد ہر خطر ونقصان سے محفوظ ہو۔ آج اولاد کی آنکھ کھلی، چلنا سیکھا، بولنے کو چند بول مل گئے تو دوست مل گئے، وفاداریاں مل گئیں۔ دوستیاں وجود میں آئیں۔ اور باپ بھول گیا۔ وفادار ہمیشہ کا! رہ گیا۔ نئے مفت خورے وفادار نکل آئے اور یوں رشتوں کا خون ہو گیا۔

وارتفعت الا صوات فی المسا جد . ترجمہ: مساجد کی بنیاد ذکراللہ کے لیے ہے لیکن اکثر مساجد میں دنیاوی گفتگو جاری رہتی ہے۔ یہاں تک کہ نمازی سکون سے نماز ادا نہیں کر سکتے۔ کاروبار، تجارت، ملازمت، حالاتِ حاضرہ اور ملکی وبین الاقوامی موضوعات پر تبصرے اور آراء کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔ مسجد کی مقصدیت دل ودماغ سے محو ہوتی جارہی ہے۔

وکان زعیم القوم ارذلھم . ترجمہ: قوم کا سردار اُن کا ذلیل ورذیل ترین شخص

ہوگا۔آج کا منظر نامہ نہایت ناگفتہ بہ ہے۔اقتدار کا سارا نظام مغربیت سے متعفن ہے۔ذاتی مفادات، پیسہ کا حصول، غرور وانانیت، دین سے سرکشی، بغاوت اور سینہ زوری ومن مانی اس جمہوریت کے اجزائے ترکیبی ہیں۔شریف آدمی پر تمام راستے بند ہیں۔مخصوص فکر اور خاص نسل کے لوگ یکے بعد دیگرے نسل در نسل لگاتار نمبروار، قطار اندر قطار سراپا انتظار ہیں۔باری آنے پر دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر خزانے صاف کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اخلاقیات، دینیات، اسلامیات اور شریعت سے بے خبر ہو کر محض طبیعت کے دلدادگان نفس وہوس اور شیطان کے چیلے اپنے مکروہ دھندے میں محو ومگن ہیں۔

اکرم الرجل مخافۃ مشوۃ. ترجمہ: غنڈے، لٹیرے، حرام خور، بدباطن، عزتوں سے کھیلنے والے، کرائے کے ڈاکو اور قاتل رکھنے والے، دھاندلی دھونس اور مکرودغا کے پیکر معاشرے پر چھائے ہوئے ہیں۔سماج مکمل ان کے ہاتھ میں یرغمال بنا ہوا ہے۔کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔حق گوئی پر قدغن اور پابندی ہے۔معاشرے کے یہ ناسور ہر طرف ایک نہیں، بے شمار موجود ہیں۔

شربت الخمور۔ ترجمہ: شراب پی جائے گی۔آج پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آرہا ہے۔نو دولتیوں اور نسلی حرام خوروں کو یہ لت پڑ گئی ہیں۔مخصوص دعوتوں میں مخصوص شرفا یہ غٹاغٹ پیتے ہیں۔شرم وعار تو کیا یہ کام قابل فخر سمجھتے ہیں۔

ام الخبائث، خباثوں کی ماں، ایسے بچے جنم دیے جاتے ہیں۔ جو خود تو پیتے ہیں دوسرے کو بھی اس کام کا عادی بناتے ہیں۔یوں گناہ کبیرہ کا خنجر اُمت کے پیٹ میں گھونپتے ہیں، اور یہ کام باقاعدہ سرپرستی میں ہو رہا ہے۔سرپرستی کون کر رہا ہے کسی سے بھی مخفی نہیں۔

نہ اِدھر اُدھر کی تو بات کر، مجھے یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے غرض نہیں، تیری رہبری کا سوال ہے

نشے میں دُھت یہ طبقہ شامت اعمال کا شکار ہے لیکن انھیں کیا خبر کہ یہ شیطان ونفس

کے جال میں پھنس کر اُن کا نوالۂ تر بن چکے ہیں۔

لُبِسَ الحریر ۔ ترجمہ: ریشمی لباس پہنا جائے گا۔ یہ کمزوری اور گناہ بھی ظاہر ہے۔ دھن دولت کے پجاری، حلال وحرام اور جائز و ناجائز کے تصور سے باغی بن کر حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مصداق بن رہے ہیں۔

واتخذت القینات والمعازف ۔ ترجمہ: گانے والیوں اور آلاتِ لہو کو اختیار کیا جائے گا۔ آج گانے باجے کا صرف رواج نہیں بلکہ راج ہے۔ الیکٹرانک میڈیا ہو یا کہ پرنٹ میڈیا، پورا میدان حیا سوز اور بے تمیز بنا ہوا ہے۔ انٹرنیٹ، فیس بک وغیرہ نے حد کر دی۔ کم سن بچوں اور عورتوں کے ہاتھ میں موبائل نے کسر پوری کر دی۔ پاپ میوزک کو روح کی غذا کا درجہ دیا گیا۔ حقیقت ہے کہ جب روح مسخ ہو جاتی ہے۔ قلبِ سلیم کا کباڑا ہو جاتا ہے۔ پھر ایسے ہی فلسفے بگھارے جاتے ہیں۔ ہمیشہ گدھا گندگی کے ڈھیر پر غلاظت ہی چرتا ہے۔ شکل انسانی میں موجود مسخ شدہ انسان واقعی حرام گانے باجے سے غذا حاصل کرتے ہیں۔

آ تجھ کو بتاؤں میں کہ تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

ولعن آخر هٰذهِ الامة اولها ۔ ترجمہ: اس اُمت کے آخر پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے۔ یہ حقیقت ماہِ نیم ماہ آفتابِ نیم روز کی طرح روشن ہے وہ اسلاف جنھوں نے دین کی خاطر زندگیاں وقف کیں۔ اپنے تمام وسائل خدمتِ دین میں صرف کر دیے۔ گمراہوں اور بے راہوں کو راہِ راست پر لے آئے۔ اُمت کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کی تگ و تاز اور محنت و کاوش کی۔ وہ بلند ہستیاں جن کے نام کے سامنے سر احتراماً جھک جاتے ہیں۔ دل تعظیم و توقیر سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ جنھوں نے ہزاروں اور لاکھوں لوگوں کو کفر کی ظلمتوں سے نکال کر اسلام و ایمان کے روشن جہاں میں لے آئے۔ جن کو ربِ کریم نے انعام یافتگان کا ایوارڈ دیا، جن سے صراطِ مستقیم کو شناخت ملی، جنھوں نے پیکرِ عمل بن کر اعمال، اقوال اور احوال میں، حسن، نکھار اور عروج حاصل

کیا۔ جن کے سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہے۔ اُن پر حملے کیے جا رہے ہیں۔ خارجی ذہن سرعام للکار رہا ہے۔ اسلاف کے بارے نہ صرف نازیبا زبان استعمال کی جا رہی ہے بلکہ اُمت کا رشتۂ محبت ومودت ان سے کاٹنے کے لیے ہر غلط اور ناجائز حربہ آزمایا جا رہا ہے۔ دین کے لبادے میں دین کے دشمن شرک، بدعت، گمراہی وغیرہ کا پروپیگنڈہ کر کے بزرگانِ دین سے لوگوں کو دور کر رہے ہیں۔

سارا زور بیان، قلم کی سیاہی، تقدیر و خطابت کی ساری گھن گھرج اسی بات پر ہے کہ دین کی مسلم سوچ جو کہ قرنِ اول سے لے کر ہر دور میں رہی۔ اس کو زر کے زور پر تبدیل کی جائے۔ یہ شیطانی سوچ کے حامل باطل کے مہرے تمام ہتھکنڈوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ اُمتِ مسلمہ کو کافر کہنے میں جری ہیں۔ اس سے کام نہ چلے۔ دھماکہ خیز مواد سے دوسروں کو اور خود کو اڑا دیتے ہیں۔ ضدی، ہٹ دھرم، تکفیری اور تفجیری روِش ان کی وراثت ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جن علامات کو بیان فرمایا۔ حرف بحرف وجود میں آچکی ہیں۔ جب عمل اتنا بھیانک اور وحشت انگیز ہو اس کا نتیجہ بھی دل دہلا دینے والا اور تباہ کن ہو سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا۔ پھر سرخ آندھی کا انتظار کرو۔ یا زمین دھنس جانے کا یا شکلوں کے مسخ ہو جانے کا انتظار کرو۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہو رہی ہے۔

عذابِ الٰہی مختلف روپ اور انداز میں آرہا ہے۔ کاش ہم ان فرمودات پر کان دھرتے، توجہ کرتے سراپا اطاعت بنتے تو حالات یوں دگرگوں اور افسوس ناک نہ ہوتے۔

لب ولہجہ اور کردار و عمل دونوں پٹڑی سے گرتے جا رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے واضح طور پر فرمایا۔ **المسلم من سلم المسلمون من لسا نہ و یدہ** ۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ لیکن آج ہم اپنے طرزِ عمل کو دیکھیں۔ شکوہ و شکایت، غیبت، چغلی، کبر و غرور اور خود غرضی و مفاد پرستی کے کانٹے بکھرے پڑے ہیں۔ یہ سارے جرائم خود ہی بوتے ہیں اور خود کاٹنے پڑ رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور نبی کریم ﷺ سے روایت فرمایا۔

سبا ب المسلم فسو ق و قتاله کفر. (بخار ی . ۴۸)

مسلمان کو گالی دینا فسق (گناہ) اور قتل کرنا کفر ہے۔علماء کرام فرماتے ہیں۔جب قتل کو جائز سمجھا جائے تو کفر ہے۔کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔خونِ مسلم غیروں کے ہاتھوں بہہ رہا ہے لیکن بزعمِ خویش دین کے دعوے دار، اس کام میں پیچھے نہیں۔اسی وجہ سے پیہم و مسلسل اور لگاتار مصائب اور مشکلات کا دور دورہ ہے۔

قتل و غارت گری اور خون خرابہ اپنا رنگ دکھا رہا ہے۔نحوست اور شومئی قسمت سے یہ کام روز افزوں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔حدیث پاک میں آیا۔**اذا تو اجہ المسلمان بیفھما فکلا ھما من اھل النار** . جب مسلمان آپس میں تلوار کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل ہو جائیں، پس دونوں جہنمی ہیں۔سوال کیا گیا یہ تو قاتل ہے۔بس مقتول کیوں؟ (جہنمی ہوگا) فرمایا ۔**انہ اراد قتل صا حبہ**۔مقتول نے اپنے ساتھی (قاتل) کے قتل کا ارادہ کیا۔[بخاری۔کتاب الفتن] ذرا توجہ فرمائیں کہ دونوں نے اپنا گھاٹا اور نقصان کیا۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں۔لوگ نبی کریم ﷺ سے خیر (بھلائی) کے بارے سوال کرتے۔جبکہ میں شر کے بارے پوچھتا تھا۔اس خوف سے کہ کہیں مجھے شر پہنچ نہ جائے۔میں نے عرض کیا۔یا رسول اللہ ﷺ کہ ہم جہالت اور شر میں تھے۔پس اللہ تعالیٰ یہی خیر (اسلام) ہمارے پاس لے آیا۔کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا۔فرمایا۔ہاں، میں نے عرض کیا۔کیا اس شر کے بعد خیر ہوگا۔فرمایا۔ہاں، اور اس میں دخن ہوگا۔میں نے عرض کیا اور اس کا دخن کیا ہوگا۔فرمایا۔**قو م یھدون بغیر ھد ی تصر ف منھم و تنکر** . وہ قوم میری ہدایت کے غیر پر ہوگی تُو انھیں پہچانے گا اور ناپسند کرے گا۔میں نے عرض کیا، کیا اس خیر کے بعد شر ہوگا۔فرمایا۔ہاں۔**دُعا ۃ علی ابو اب جھنم ، من اجا بھم الیھا قذفوہ' فیھا.**

ترجمہ: دوزخ کے دروازوں پر بلانے والے ہوں گے جو شخص ان کی پکار کو قبول کرے گا۔وہ اس کو دوزخ میں پھینک دیں گے۔میں نے عرض کیا۔یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے

بیان فرمایے۔فرمایا۔ھم من جلدتنا ویتکلمون بالسنتنا . وہ لوگ ہماری قوم سے ہوں گے اور ہماری بولی بولیں گے۔ میں نے عرض کیا۔آپ مجھے کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں اگر میں ان لوگوں کو پالوں؟۔فرمایا۔تلزم جماعة المسلمین وامامھم .مسلمانوں کی جماعت اور امام کو لازم پکڑ۔ میں نے عرض کیا اگر اس وقت مسلمانوں کی جماعت نہ ہو اور امام بھی نہ ہو تو!فرمایا۔ ان تمام فرقوں سے الگ ہو جا۔اگر چہ تو درخت کی جڑ کو چبائے۔ یہاں تک کہ تجھے موت پالے اور تو اسی (طریقے) پر رہے۔[بخاری۔کتاب الفتن]

حالات بار بار پلٹا کھاتے ہیں۔خیر وشر کا یہ نظام جاری وساری ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا اِمروز
شرارِ بولہبی سے چراغ مصطفوی

حالات جیسے بھی ہوں۔اپنے دین وایمان کی حفاظت لازمی اور ضروری ہے۔اس لیے کہ اسی وجہ سے اُخروی کامیابی کا پروانہ ملنے والا ہے۔اس لیے حالات کے سامنے استقامت کا پہاڑ بن کر ڈٹ جانا ہی وجہٗ نجات ہے۔ یہاں تک کہ اگر لوگوں کے اندر رہ کر ایمان کو سلامت رکھنا مشکل ہو تو درخت کی جڑ کو چبائے رکھ اور اپنے ایمان کو بچائے رکھ۔یعنی شدید مصائب اور مشکلات برداشت کر اور اپنے عقیدۂ ایمان پر حرف نہ آنے دینا۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

☆☆☆☆☆

حضورﷺ کے اخلاق کریمانہ

علامہ قاری سعید احمد☆

حضورﷺ کے اخلاق کریمانہ کا کوئی بھی احاطہ نہیں کرسکتا۔ حضرت سعد بن ہشامؓ فرماتے ہیں کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضورﷺ کے اخلاق کے متعلق پوچھا تو انھوں نے ارشاد فرمایا **کان خلقه القرآن**۔ قرآن حکیم ہی آپﷺ کا خلقِ عظیم ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (**انک لعلی خلق عظیم**) بے شک آپ عظیم الشان خُلق پر قائم ہیں۔ حضورﷺ کا ارشاد ہے (**لأُتَمم مَكَارِم الاَخلَاقِ**) میں پیغمبر ہی اس لیے بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کردوں۔

حضرت علامہ محدث کبیر الشیخ یوسف بن اسماعیل نبھانی "وسائل الوصول الی شمائل الرسولﷺ" میں حضرت علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کی کتاب "شفا شریف" سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روایت میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے لے کر انتہائے آفرینش تک پوری کائنات کو جتنی عقل عطا کی۔ وہ اس عقل کا ایک ذرہ ہے جو سرور کائنات حضرت محمدﷺ کو بخشی گئی۔ امام قسطلانی "مواہب" میں "عوارف المعارف" کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ کہ اگر عقل کے سو جز تسلیم کیے جائیں تو اس کی تقسیم اس طرح کی ہوگی کہ ننانوے جز حضرت محمدﷺ کو عطا کیے اور ایک جز تمام لوگوں پر تقسیم کردیا گیا۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں۔ جو شخص آپﷺ کے حسن تدبیر کے بارے میں غور کرے تو دیکھے گا کہ عرب جو دنیا کی وحشی تر قوم تھی۔ جسے کسی تہذیب وتمدن کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔ نہ اُن کے سامنے ماضی کی تاریخ تھی نہ مستقبل کے اندیشے جن کے پاس تعلیم وتعلم کا کوئی ذریعہ اور سامان

☆ مدرس جامعہ زینت الاسلام، ترگ شریف (میانوالی)

نہیں تھا۔اس وحشی قوم کی تربیت آپ ﷺ نے اس انداز سے کی کہ چند ہی سالوں میں اس کی کایا پلٹ گئی۔قتل وغارت گری کی جگہ انھوں نے ایک دوسرے سے محبت اور ایثار کو اپنا شعار بنا لیا۔حضور اقدس ﷺ کی ذات مبارک سے انھوں نے جس والہانہ عشق کا عملی مظاہرہ کیا وہ تاریخ عالم کا ایک انوکھا اور منفرد باب ہے۔باپ، بیٹے کے مقابل کھڑا ہو گیا اور بیٹے نے باپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔حضور ﷺ کی خاطر شوہر نے بیوی کو اور بیوی نے شوہر کو چھوڑ دیا۔وطن چھوڑا، گھر بار چھوڑ دیے۔یہ تمام انقلاب آفریں باتیں اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ حضور ﷺ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی زیرک، دانا، عقلمند اور صاحبِ اخلاق نہیں۔آپ ﷺ کی دانائی سارے عالم سے بڑھ کر ہے۔یقیناً آپ ﷺ کا اخلاق کریمانہ کا دامن اتنا وسیع ہے کہ اسے دنیا کی کوئی چیز تنگ نہیں کر سکتی۔اور بجا طور پر کہا گیا کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن حکیم کی عملی تفسیر ہے۔

حدیث نمبر 1۔ حضرت سیدنا انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں۔مجھے رسول خدا ﷺ کی خدمت میں رہنے کا شرف دس برس تک حاصل رہا۔مجھے کبھی بھی اُف تک نہیں فرمایا اور نہ کسی کام کرنے میں یہ فرمایا کہ تو نے یہ کام ایسا کیوں کیا، اور کبھی کسی کام کے نہ کرنے میں یہ فرمایا: کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔حضور نبی کریم ﷺ از روئے اخلاق کے تمام انسانوں میں بہت ہی بہتر تھے اور میں نے کبھی کوئی ریشم اور ریشمی کپڑا اور کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور ﷺ کی ہتھیلی مبارک سے زیادہ نرم ہو۔اور میں نے ہرگز کبھی کسی قسم کا مشک اور عطر حضور نبی کریم ﷺ کے پسینہ مبارک سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھی۔ (شمائل ترمذی، ص ۲۵)

اس حدیث میں حضور ﷺ کے خادم حضرت انس ؓ فرماتے ہیں۔کہ حضور ﷺ نے نہ کسی کام کے کرنے میں یہ فرمایا۔کہ تو نے یہ کام ایسا کیوں کیا؟ اور کبھی کسی کام کے نہ کرنے پہ یہ فرمایا۔کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا ''شمائل شریف'' میں اسی مقام پر حاشیہ ہے یعنی خوب جان لے کہ حضرت انس ؓ پر عدم واعتراض ان امور پہ تھا۔جو کے خدمت اور آداب سے متعلق تھے۔اور نہ ان امور میں جو کہ تکالیف شریعہ سے متعلق ہے کیونکہ ان پر ترک اعتراض روا نہیں۔

حضرت علامہ محمد عاقل صاحب اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس ؓ مکمل فضیلت کے مالک تھے۔ کہ مکمل دس سال آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں رہ کر خلافِ شرع کسی امر کے مرتکب نہیں ہوئے۔ اس لیے کہ خلاف شرع کام پر حضور ﷺ کا سکوت ممکن ہی نہ تھا۔ (''انوار غوثیہ شرح شمائل'' ترمذی ۴۷۳)

اور اِس حدیث شریف میں جو دوسری بات حضرت انسؓ نے بیان فرمائی ہے۔ کہ میں نے کبھی کوئی ریشم اور ریشمی کپڑا اور کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ یعنی جس طرح نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے اعتبار سے نہایت ہی بلند اعلیٰ اور ارفع مقام رکھتے۔ اسی طرح خلقت کے لحاظ سے انتہائی لطیف اور نورانی وجود مبارک رکھتے تھے۔

اور اس حدیث شریف میں جو تیسری بات حضرت انسؓ نے بیان فرمائی۔ کہ میں نے کبھی بھی کسی قسم کا مشک یا عطر حضور ﷺ کے پسینہ مبارک کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھی۔ یہ خوشبو حضور ﷺ کے وجود مبارک کی خوشبو تھی۔ کسی عطر یا مشک وغیرہ کی خوشبو نہیں تھی۔ اسحاق بن راھو یہ فرماتے ہیں۔ **ان تلک کانت راحته بلاطيب** ۔ یہ خوشبو بدون خوشبو لگائے ہوئے کے تھی۔ گویا فوراً آپ ﷺ کے وجود اقدس ومطہر کی تھی۔ حضور ﷺ کا وجود مبارک طیب ومطیب تھا۔ جس راستے سے آپ ﷺ گزرتے تھے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ ﷺ کی خوشبو پا کر اسی راستے پر جاتے اور آپ ﷺ کو پالیتے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ ''تاریخ کبیر'' میں حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس راستے پر سے گزرتے اور آپ ﷺ کو کوئی شخص تلاش کرتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا۔ کہ آپ ﷺ اس راستے سے تشریف لے کر گئے ہیں حضور پاک ﷺ اگر کسی سے مصافحہ کرتے تو تمام دن اس شخص کو اپنے ہاتھ سے حضور ﷺ کے دست ہائے مبارک کو چھونے کی بدولت خوشبو آتی رہتی اور اگر کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ بچہ اس خوشبو کی وجہ سے دوسرے بچوں میں پہچانا جاتا۔ (انوار غوثیہ شرح شمائل ترمذی۔ ۴۷۷)

حدیث نمبر۲۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے نہ بتکلف فحش بات فرماتے تھے۔نہ بازاروں میں چلا کر (خلاف وقار) باتیں کرتے تھے۔برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف فرمادیتے تھے اوراس کا ذکر تذکرہ بھی نہ فرماتے تھے۔(شمائلِ ترمذی،ص ۲۵)

حدیث نمبر۳۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔کہ حضور ﷺ نے کبھی بھی اپنے ہاتھ سے کسی ایک کو نہیں مارا۔ماسوائے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے اور حضور ﷺ نے نہ تو کسی خادم کو نہ ہی بیوی کو کبھی مارا ہے۔(شمائلِ ترمذی۔۳۵)[نوٹ:اللہ کے راستے اور جہاد ہی میں حدود بھی داخل ہیں۔]

اسی جگہ شمائل شریف کے حاشیہ پہ ہے۔یہ نفی عام کی نفی کے تحت ہے اور خصوصی طور پران دونوں کے ساتھ ذکر ہوئی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے اگر چہ ادب کے لیے عورت یا خادم کو مارنا بھی مباح ہے۔مگر اس کا ترک یعنی نہ مارنا،افضل و بہتر ہے۔

حدیث نمبر۔۴ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور پاک رسول کریم ﷺ کو کبھی بھی نہیں دیکھا کہ اپنی ذات اقدس کے لیے کسی شخص سے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ہاں جب کوئی اللہ تعالیٰ کی حرمتوں میں کسی کا ارتکاب کرے،سو جس وقت اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو کوئی توڑتا تو اس شخص پر ازروئے غصہ کے حضور ﷺ سے زیادہ غضبناک کوئی دوسرا نہ ہوتا۔اور حضور ﷺ کو جب دو کاموں میں اختیار دیا جاتا۔تو حضور ﷺ اس کام کو اختیار فرماتے جو آسان ہوتا بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہو۔(شمائل ترمذی)

حضور ﷺ کا کمال اخلاق تھا کہ جس شخص نے بھی آپ ﷺ پر جتنی بھی زیادتی کی ہے حضور ﷺ نے اُس شخص سے زیادتی کا بدلہ نہیں لیا۔بلکہ اسے معاف فرمادیا۔علامہ یوسف نبھانی تحریر فرماتے ہیں۔اگر آپ ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بدسلوکی کرتا تب بھی آپ ﷺ اس شخص کے ساتھ بدسلوکی نہ کرتے۔معذرت خواہ کوئی ہوتا تو اس کی معذرت قبول کرتے۔کوئی آپ ﷺ کو

تکلیف پہنچاتا تو درگزر کرتے۔ اور فرماتے خدا میرے بھائی موسیٰ پر رحم فرمائے انھیں اس سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں مگر انھوں نے صبر کیا۔ اور حضور ﷺ اگر کسی کو اوامر الٰہی کی نافرمانی کرتا اور نواہی پر علی الا علان عمل پیرا ہوتا، نیز حرام کاموں کا ارتکاب کرتا دیکھتے تو اُس شخص پر بہت ہی غضبناک ہوتے اور بہت سخت ناراض ہوتے اور غصہ فرماتے۔

اور حضور ﷺ کو جب دو کاموں میں اختیار دیا جاتا۔ تو آپ ﷺ اس کو اختیار فرماتے جس کی ادائیگی سھل ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس کے کرنے میں شریعتِ اسلامی میں کوئی نقصان نہ ہوتا ہو۔

حدیث نمبر۔۵ حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے باپ سے رسول کریم ﷺ کے بارے میں پوچھا کہ رسول ﷺ کا طور طریقہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کیسا تھا تو انھوں نے فرمایا کہ ہر وقت ہنس مکھ ہوتے۔ نرم اخلاق والے تھے، نرم طبیعت تھے، نہ تو سخت کلام اور نہ ہی تند خو تھے۔ نہ تو چلاّنے والے اور نہ ہی فحش گو تھے۔ نہ کسی کے عیب بیان کرنے والے اور نہ ہی بخل یا حرص کرنے والے تھے۔ نہ کسی سے مذاق کرنے والے، جو چیز پسند نہ فرماتے اِس سے تغافل برتتے اور دوسروں کو اس سے مایوس نہ کرتے۔ اور اس کا جواب نہ دیتے۔ تین باتوں سے اپنے آپ کو بالکل محفوظ کر رکھا تھا۔ جھگڑے سے، تکبر اور بے مقصد کام سے جس کا دنیا اور آخرت میں فائدہ نہ ہو۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا نہ کسی کی مذمت کرتے نہ ہی کسی کو عیب لگاتے تھے۔ نہ کسی کے عیوب تلاش فرماتے۔ آپ ﷺ گفتگو نہیں فرماتے تھے مگر وہی جسے ثواب کی امید ہوتی ہو اور جس وقت حضور ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے ہم مجلس رضوان اللہ علیہم السلام اجمعین نہایت خاموش آنکھیں نیچی کی ہوئیں بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اور پھر جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے۔ تو آپ ﷺ کے ہم مجلس رضوان اللہ علیہم السلام اجمعین گفتگو کرتے آپ ﷺ کے سامنے وہ کسی بات پر جھگڑا نہیں کرتے تھے اور جو شخص آپ ﷺ کی خدمت میں عرض و معروض کرتا۔ باقی سب کے سب خاموش رہتے یہاں تک

وہ اپنی گفتگو سے فارغ ہو جاتا۔ ہر شخص کی بات (توجہ سے سنتے ہیں) ایسی ہوتی جیسے پہلے شخص کی گفتگو یعنی بے توجہی سے کسی کی بات نہیں سنی جاتی تھی۔ ورنہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ مجلس کی ابتدا میں تو توجہ تام ہوتی ہے۔ پھر کچھ دیر ہونے سے اکتانا شروع کر دیتے ہیں اور کچھ بے توجہی سی ہو جایا کرتی ہے۔ جس بات سے سب ہنستے؛ حضور ﷺ بھی تبسم فرماتے۔ جس بات سے سب تعجب فرماتے۔ آپ ﷺ بھی تعجب فرماتے اور آپ ﷺ اجنبی یا مسافر کی سخت گفتگو اور بے ادبی کے پوچھنے پر صبر کرتے حتیٰ کہ حضور ﷺ صحابہ، مسافروں کو آپ کی خدمت میں لے آتے اور حضور ﷺ بھی ہدایت فرماتے کہ جب کسی ضرورت مند کو دیکھو کہ وہ اپنی ضرورت پورا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو اُس کی امداد کرو۔ آپ اُس شخص کی تعریف کرنا پسند فرماتے جو حد سے تجاوز نہ کرتا۔ کسی ایک کی گفتگو منقطع نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ وہ حد سے نہ بڑھ جاتا۔ پس اُسے منع فرما کر بات ختم فرما دیتے یا اُٹھ کر چلے جاتے۔ (شمائل ترمذی، ص ۲۵)

حدیث نمبر ۶۔ محمد بن المنکدر فرماتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہؓ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جنابِ رسول کریم ﷺ سے کبھی بھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی جس پر آپ ﷺ نے انکار فرما دیا ہو۔ (شمائلِ ترمذی۔ ص ۲۵) یعنی جس وقت بھی حضور ﷺ سے جس کسی نے جو مانگا۔ آپ ﷺ نے انکار نہیں کیا۔ اگر اُس وقت موجود نہ ہوتا تو کسی سے قرض لے کر اس کے سوال کو پورا فرما دیتے یا دوسرے وقت پر دینے کا وعدہ فرما لیتے۔ غرض یہ کہ لفظِ ''نہ'' نہ فرماتے۔ اکثر اس طرح بھی ہوتا کہ ایک چیز ہے جس کی آپ کو خود ضرورت ہے اور مانگنے والا وہی چیز مانگتا ہے تو حضور ﷺ اپنی ضرورت کی پروا نہ فرماتے ہوئے سائل کو وہ چیز عطا فرما دیتے۔

نہ رفت لا بہ زباں مبارکش ہر گز

بہ جز در اشھد ان لا الہ الا اللہ

☆☆☆☆☆

[حضرت خواجہ امین الدین ہبیرہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ]

مولوی محمد رمضان معینی تونسوی

لطائفِ اشرفی حصہ اوّل لطیفہ ۱۵ میں تحریر ہے کہ: خانوادہ ہبیریان، یہ خانوادہ شیخ ہبیرہ بصری سے تعلق رکھتا ہے۔ شیخ ہبیرہ بصری کے ارادت مندوں کی سیرت یہ ہے کہ یہ لوگ کسی شہر یا قریہ میں قیام نہیں کرتے۔ جنگل اور ویران جگہوں پر پھرتے ہیں۔ راہ تجرید اختیار کرتے ہیں۔ ان کی خوراک سبزہ، گھاس اور جنگلی پھل ہوتے ہیں یا حوضوں میں پڑے جو کچھ غلے اور دانے مل جاتے ہیں، یہ حضرات شب و روز وضو سے رہتے ہیں، یہ لوگ فتوح قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم خدا کی بندگی خدا کے لیے کرتے ہیں نہ کہ دنیا کے لیے، ہم خدا کی بندگی خدا کی محبت کے حصول کے لیے کرتے ہیں، یہ حضرات روزہ کی افطار سبزہ اور نمک سے کرتے ہیں، ان حضرات کی ارادت و صحبت کے حصول کے لیے انسان کے ظاہر اور باطن کا تصفیہ لازمی ہے۔ بغیر اِس تصفیہ کے اِن کی ملازمت کا شرف حاصل ہونا محال ہے۔

قطعہ

شنو از سیرتِ ایشاں کہ چوں گنج   برون از خانہ در بیرانہ باشند

زِخود و ارستہ و از خانمان ہم   انیس صحبتِ جانانہ باشند

(لطائفِ اشرفی حصہ اول، ص ۵۳۳)

سبع سنابل میں لکھا ہے کہ: آپ خواجہ حذیفہ مرعشی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ سترہ سال کی عمر میں دانش مند عالم اور کلام ربانی کے حافظ ہو چکے تھے۔ ہر دن میں دو بار اور ہر رات دو مرتبہ قرآن شریف ختم کرتے۔ سترہ برس کی عمر سے آخر عمر تک آپ کا وضو قضائے انسانی کے سوا نہ ٹوٹا۔

☆ خانقاہِ معلّیٰ حضرت خواجہ محمد شاہ سلیمان تونسویؒ، تونسہ مقدسہ [ڈیرہ غازی خان]

آپ کی عمر بہت زیادہ تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک سوتیس برس کی عمر تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ایک سو بیس سال کی۔ ساری عمر تین تین، چار چار روز کے بعد افطار کرتے رہے اور جب روزہ افطار کرنے کا ارادہ کرتے تو چند ورق لکھتے اور جو کچھ ملتا اس سے سامانِ افطار کا اہتمام کرتے۔

نقل ہے کہ ایک امیر آدمی خواجہ ہبیرہؒ کے پاس ایک ہزار درہم لایا۔ آپ نے ایک نعرہ لگایا اور بے ہوش ہو گئے، یہاں تک کہ آپ کے منہ میں کف آ گیا۔ بکثرت مخلوق جمع ہو گئی۔ آپ کے منہ پر پانی چھڑکا تو آپ کو ہوش آیا مگر آپ کی نظر پھر اِن درہموں پر پڑی۔ پھر آپ نے نعرہ بلند کیا اور بے ہوش ہو گئے اور یہ عالم تھا کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ روح پرواز کر جائے گی، سب اسی غم میں مبتلا ہو گئے تھے اور پھر آپ کے منہ پر پانی چھڑکا تو آپ ہوش میں آ گئے لیکن (یوں کہ) بدن میں لرزہ تھا، آنکھوں میں آنسو تھے، چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے شیخ! کیا بات تھی آپ نے نعرہ لگایا اور بے ہوش ہو گئے اور جب آپ دوبارہ ہوش میں آئے تو رو رہے ہیں؟ فرمایا کہ آہ قابلِ رحم ہے وہ شخص جو محبوب کا خواہاں، مطلوب کا جویاں ہو اور جب اِس طالب کو مطلوب کے سوا کچھ اور ملے اور محبوب کے علاوہ اسے کچھ اور دیا جائے تو اس کی زندگی سے موت بہتر ہے۔ بے مایہ درویش نے جب فقر و فاقہ کو اختیار کر لیا اور گوشہ نشین ہو گیا تو اسے دنیا سے کیا کام؟ وہ دولت مند میرے پاس ہزار دینار لایا، میرا دِل زخمی اور جگر پانی پانی ہو گیا۔ وہ درویش جو فقر کے قابل نہیں اسے درہم دیتے ہیں اور دنیا والوں سے اس کی شناسائی کر دیتے ہیں، میں دنیا، اہل دنیا اور شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، اسی بنا پر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا سے خطاب فرمایا۔ اے دنیا میرے دوستوں سے گذر جا کہ کہیں تو انھیں فتنہ میں نہ ڈالے (سبع سنابل، مطبوعہ لاہور، ص ۴۱۵ تا ۴۱۶)

ڈاکٹر ابو اعجاز رستم روزنامہ ایکسپریس کے سنڈے میگزین کے ص ۱۸ بابت ۲۲ راپریل ۲۰۱۲ء میں آپ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ: ''حضرت خواجہ امین الدین ہبیرہ بصریؒ کی ولادت باسعادت ۲۲ ماہِ رجب المرجب ۱۵۲ھ بروز بدھ بوقتِ نمازِ عصر بصرہ میں ہوئی۔ آپ نے

تبع تابعین کا زمانہ پایا۔ آپ نے بہت مجاہدہ اور ریاضت کی۔ تیس سال اسی کام میں لگے رہے اور دعا کرتے رہے۔ اے اللہ! تیرا بندہ تیری خاطر سب کچھ چھوڑ چکا ہے۔ مجھے وہ راہ دکھا دے جس سے مجھے سکون مل سکے۔ آواز آئی۔ اے ہبیرہ میرے دوست حذیفہ مرعشی کے پاس جا۔ اور اس سے راستہ پوچھ وہ تجھے مجھ سے ملائے گا۔ یہ سنتے ہی آپ اپنی کٹیا سے نکلے اور حضرت حذیفہ مرعشی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت حذیفہ مرعشی کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ بعد میں حضرت حذیفہ مرعشی نے آپ کو خلافت عطا فرمائی۔ آپ کا وصال ۷ر شوال ۲۹۹ھ کو ایک سو بیس برس کی عمر میں ہوا۔ اتوار کا دن اور ظہر کا وقت تھا۔ بصرہ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہبیرہ نامی جنگل میں آپ کا مزارِ پُر انوار آج بھی زائرین کی توجہ کا مرکز ہے۔''

راقم الحروف محمد رمضان معینی عرض کرتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے جتنے بھی مضامین اخبار میں شائع ہوتے ہیں ان کا ماخذ نہیں لکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب مذکورہ بالا مضمون میں دو روایات سلسلہ چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ کے مؤلف غلام فرید خان در مطبع واقع آگرہ، ص ۱۸ سے نقل کی ہیں۔ ''تواریخ آئینہ تصوف'' مؤلف محمد حسن چشتی صابری سے نقل کی ہیں۔ ۲۲ ماہ رجب ۱۵۲ھ میں بروز چہار شنبہ (بدھ) وقت عصر بصرہ میں پیدا ہوئے۔''

آپ کا وصال: ۲۹۹ھ میں بروز یک شنبہ وقت نمازِ ظہر بعد نماز کے مرتبہ لاہوت میں وفات پائی اور مزار شریف آپ کا ہبیرۃ میں ہے (ہبیرۃ نام جنگل کا ہے۔ قریب بصرہ و سہہ ہزار قدم پر واقع ہے۔ یہ کمزور ترین روایات ہیں ان کا کوئی ماخذ نہیں۔ چشتیہ صابریہ کی کتب میں ان فرضی کتب کے حوالے ملتے ہیں۔

''سیر الاقطاب'' میں منقول ہے کہ حضرت قطب المجتہدی ہبیرہ بصری فرماتے تھے کہ جب میں نے خرقہ پہنا، ارواحِ طیبہ حضرت پیغمبر خدا ﷺ و دیگر بزرگانِ دین و اہلِ یقین موجود تھیں، ہر ایک مجھ کو دعائے خیر دیتے تھے اور میں خوفِ خدا سے گریاں و لرزاں تھا۔ ڈرتا تھا کہ الٰہی، درویشی عجب مہم سخت و معاملۂ نازک ہے، دیکھیے کیونکر عہدہ برآ ہوتا ہوں۔ آج جو خرقۂ فقر

پہنا ہے، ایسا نہ ہو کہ کل بروزِ قیامت فقرا سے شرمندہ ہوں۔

''سیر الاقطاب'' کی روایت کے مطابق حضرت خواجہ غایت احتیاط سے کبھی اہلِ دنیا سے موانست و موافقت نہ کرتے؛ خورونوش ان کے یہاں کا استعمال میں نہ لاتے کبھی ان کے گھر نہ جاتے، حتیٰ کہ ان لوگوں کی صورت بھی نہ دیکھتے۔ آپ کا یہ مقولہ تھا کہ مالدار آدمیوں کا طعام حکم زہر قاتل رکھتا ہے، دل کو تیرہ، روشنی باطن کو زائل کرتا ہے۔ شب بیداری سے ہمیشہ آپ کو سروکار تھا، رات بھر طاعت و عبادت میں مشغول رہتے۔ درویشوں اور مسکینوں کے ہم پیالہ وہم نوالہ رہتے تھے۔ وجہِ حلال پر قوتِ بسری کا انحصار تھا اور پیرانِ عظام کی طرح تین چار لقمے سے زیادہ تناول نہ فرماتے۔ آپ فرماتے تھے کہ درویش کو یگانگی خدا و بیگانگی ماسوا چاہیے۔ اور آپ کسی کی مدح و ذم سے زبانِ الہام ترجمان کو ملوث نہ کرتے تھے۔ ہمیشہ یادِ خدا سے تعلق اور خیالِ دنیا و مافیہا سے تفارق رکھتے تھے۔

حضرت جنابِ باری میں بغایت گریہ وزاری عرض کرتے تھے کہ الٰہی ہبیرہ بیچارہ اور بے سرمایہ ہے، ایسا نہ ہو کہ تو اس سے حسابِ خورونوش لے، پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس محاسبے و مطالبے سے نجات پائے، مگر تو محض فضل و کرم سے دستگیری کر۔

آوازِ غیب آئی کہ اے ہبیرہ، ہم نے تجھ کو بے حساب بخش دیا اور جنتِ علیین میں تیرا مقام ہے۔ آپ کو وہ نسبتِ کامل و ترقیِ منزلت حاصل ہوئی کہ جو کوئی آپ سے بیعت کرتا، ایک مرتبہ اعلیٰ پر فائز ہو جاتا اور نعمتِ وافر پاتا۔ جو جس کا مقصود ہوتا، آپ کی برکتِ دعا سے حاصل ہوتا۔

خواجہ امام بخش مہاروی تحریر کرتے ہیں کہ ''شجرۃ الانوار'' میں مذکور ہے کہ خواجہ امین الدین البصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال سات شوال اور بعض کے نزدیک ۱۸ر شوال کو ہوا آپ کی عمر ایک روایت کے مطابق ایک سو بیس سال اور دوسری روایت کے مطابق ایک سو تیس سال تھی آپ کا مقبرہ بصرہ میں ہے (مخزنِ چشت اردو، ص ۱۵۷)

''مراۃ الاسرار'' میں لکھا ہے کہ: قطب وقت خواجہ ہبیرہ بصری قدس سرہ کو خرقہ خواجہ حذیفہ مرعشی سے ملا (مراۃ الاسرار، ص۳۲۰) خواجہ ہبیرہؒ کی وفات سات ماہ شوال کو ہوئی لیکن سنِ وصال معلوم نہیں ہوسکا (مراۃ الاسرار، ص۳۲۱)

خذینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ: وفات خواجہ بصری (ہبیرہ بصری) در سال دوصد و ہشتاد و ہفت بتاریخ ہفتم شوال است از مولف۔

شد چواز دنیا بفردوس بریں — آں ہبیرہ خواجہ عالی مقام

وصل اوکامل امین الدین — رحلتش زاہد کریم آمد عیاں

(خزینۃ الاصفیاء، فارسی، ص۲۳۸)

☆ مزید حالات کے لیے حسب ذیل کتب ملاحظہ کریں۔

۱۔ سیر الاولیاء، میر خورد کرمانی

۲۔ لطائفِ اشرفی، نظام غریب یمنی [حصہ اول]، خانوادہ ہبیریان، ص۵۳۳، مترجم علامہ شمس بریلوی

۳۔ سبع سنابل، ص۴۱۵ تا ۴۱۶

۴۔ سفینۃ الاولیاء، داراشکوہ قادری، بذیل تذکرہ ص۸۶

۵۔ سیر الاقطاب، شیخ الہ دیہ چشتی صابری، لاہور

۶۔ مراۃ الاسرار [سال تالیف ۱۰۴۵ھ تا ۱۰۶۵ھ]، شیخ عبدالرحمٰن چشتی صابری (پ۔ ۱۰۰۵ھ م ۱۰۹۴ھ)، مترجم کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری، ص۳۲۰ تا ۳۲۱، اشاعت رجب ۱۴۱۲ھ لاہور، فارسی ص۴۸ تا ۵۰

۷۔ اقتباس الانوار [سال تالیف ۱۱۳۲ھ]، شیخ محمد اکرم براسوی [م۔ ۱۱۵۹ھ]، ص۲۵۸ تا ۲۶۲ مترجم کپتان واحد بخش سیال، مطبوعہ لاہور، محرم الحرام ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء، فارسی

متن ۱۸۹۵ء، مطبوعہ لاہور

۸۔ مطلوب الطالبین، قاضی محمد بلاق دہلوی

۹۔ مراۃ ضیائی، مولانا رحمت علی ضیائی جے پوری

۱۰۔ شجرۃ الانوار، مولانا رحیم بخش فخری دہلوی

۱۱۔ مخزنِ چشت، خواجہ امام بخش مہاروی، مترجم پروفیسر افتخار احمد چشتی، مطبوعہ فیصل آباد، ۱۵۵تا۱۵۷

۱۲۔ مناقب المحبوبین حاجی نجم الدین سلیمانی فتح پوری، مطبوعہ رام پور ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء

۱۳۔ القول المستحسن فی فخر الحسن، مولانا حسن زمان حیدر آبادی دکنی

۱۴۔ خزینۃ الاصفیاء، مفتی غلام سرور قادری لاہوری

☆☆☆☆☆

مجالس کلیمی کا تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر☆

مجالسِ کلیمی شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (م۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء) کے ملفوظاتِ گرامی کا نہایت ہی نادر اور عمدہ مرقع ہے۔ یہ گراں قدر مجموعۂ عرفان و معرفت چودہ مجالس کی روداد پر مشتمل ہے۔ اِس کے مرتب اور جامع مولانا نظام الدین اورنگ آبادی (م۱۱۴۲ھ) کے مرید اور خلیفہ خواجہ محمد کامگار خاں حسینی ہیں۔ اِس مجموعے کی ترتیب و تہذیب ۱۱۳۱ھ میں عمل میں آئی۔ خواجہ کامگار حسینی شاہی لشکر سے وابستہ تھے۔ ۳۔ محرم ۱۱۳۱ھ میں وہ امیر الامرا سید حسین علی خاں کے ہمراہ بلدۂ خجستہ بنیاد اورنگ آباد سے براستہ دارالسرور برہان پور، دہلی کی جانب عازمِ سفر ہوئے۔ تقریباً دو ماہ میں اُن کا قافلہ دہلی پہنچا۔ ۲۷۔ ربیع الاوّل ۱۱۳۱ھ کو پہلی بار وہ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی بارگاہِ عرش مقام میں ناصیہ فرسا ہوئے اور ۸۔ جمادی الثانی ۱۱۳۱ھ کو وہ آخری بار مجلس میں شریک ہوئے اور مجلس کے اختتام کے معاً بعد اورنگ آباد کی جانب مراجعت فرمائی۔ وہ دہلی میں تہتر (یا رویتِ ہلال کے مطابق اکہتر یا بہتر) دن مقیم رہے۔ اِن ایام میں اُنھیں چودہ بار مجالسِ کلیمی میں ناصیہ فرسائی کی سعادت میسر آئی۔ اُنھوں نے اپنے دادا مرشد کی گفتگوئے دلنواز کو دل کے کانوں سے سُنا اور محبت کی زبان میں اِس کی ترقیم کی۔ مرتب کے بھائی خواجہ محمد نور الدین (م۱۱۳۱ھ) بھی بارگاہِ کلیمی میں اپنی جبینِ نیاز جھکانے کے آرزومند تھے، لیکن خرابیِ صحت کی بنا پر اُنھیں مولانا نظام الدین اورنگ آبادی نے سفر کی اجازت نہ دی اور یوں وہ اپنے پیر و مرشد کی بارگاہِ فلک آثار میں حاضر رہے۔ جس روز جامعِ ملفوظات دہلی میں وارد ہوئے، اُسی روز خواجہ محمد نور الدین نے اورنگ آباد میں اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کی۔ خواجہ کامگار حسینی رقمطراز ہیں کہ:

☆ صدرِ شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

"از گردشِ دورانِ دون و از نیرنگیِ زمانهٔ بوقلمون به تاریخ بیست و هفتم ماهِ ربیع الاوّل سنهٔ مذکور واقعهٔ جان کاه عالم سیاه اخوی محمدنورالدین به میان آمد۔ دلِ مهجور باین داغ ابدی و باین دردِ سرمدی مبتلاشده:

قلم تا سر کند ایں داستاں را
بہ آبِ تیغ مے شوید زباں را

ازسماعِ این حادثهٔ پُرسوز و گداز حالتی روی داده که در تحریر نمی تو ان آورد۔ چون ازین امرِ خطیر چاره نیست، لاچار صبر نموده و پیش از رسیدنِ این خبر موحش در خاطر داشت که جهتِ برادرم مرحوم تحفهٔ این سفر به ازین نیست که آنچه از زبانِ کرامت ترجمان حضرتِ ولایت مرتبت مسموع می شود، درتحریر بیار دو روی داد۔ مجالسِ همایون که در ان حاضر بود، برنگارد و بعدِ ملاقات به برادرِ عزیز بگذراند۔باین اراده این رساله تالیف نموده بود و مسمی به مجالسِ کلیمی کرده ۔در همین حال خبرِرحلتِ اخوی علیه الرحمة رسید۔ پس از افسوسِ بسیارو تاسفِ بی شمار فوائد یکه جمع کرده بود، ترتیب داده هر خواننده وشنونده که ازین فوائد بهره مند گردد،این عاصی سراپا تقصیر و برادرِعزیز محمد نورالدین مرحوم را به فاتحه و دعایِ خیر یاد کند که باعثِ نجات و علوِدرجاتِ آن مرحوم و مغفور واین محزون ومهجور گردد۔"(۱)

خواجہ محمد کامگار خاں جتنے دن دہلی میں مقیم رہے، وہ اپنے بھائی کی موت سے لاعلم رہے۔

مجالسِ کلیمی میں کہیں بھی اُن کی رحلت کا تذکرہ نہیں ہوا۔ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی، خواجہ محمد نور الدین حسینی سے بھی بہت محبت کرتے تھے، کیونکر ممکن ہے کہ اُن کی موت پر مجلسِ تعزیت برپا نہ ہوتی اور اُن کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ نہ ہوتا؟ خواجہ کامگار خاں حسینی کے قیامِ دہلی کے زمانے میں اورنگ آباد سے مولانا نظام الدین کا ایک آدھ خط بھی بارگاہِ کلیمی میں شرفِ صدور لایا۔ اُس خط کا تذکرہ ساتویں مجلس میں ہوا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ خط خواجہ نورالدین حسینی کی زندگی میں لکھا گیا ہوگا، وگرنہ اُس میں اُن کی موت کا یقیناً تذکرہ ہوتا۔ اِن دونوں بھائیوں کو اپنے شیخ کی بارگاہِ تقدس مآب میں جو شفقت اور توجہ میسر تھی، اُس کے پیشِ نظر یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ پروفیسر محمد اسلم رقمطراز ہیں کہ:

> ''اُسی زمانے میں اُنھیں یہ اطلاع ملی کہ اُن کی عدم موجودگی میں دکن میں اُن کے بھائی محمد نورالدین کا انتقال ہوگیا ہے۔ خواجہ کامگار خاں نے اپنے مرحوم بھائی کے ایصالِ ثواب کی خاطر شاہ کلیم اللہ کی چودہ مجالس کے ملفوظات مجالسِ کلیمی کے عنوان سے مرتب کیے۔'' (۲)

پروفیسر صاحب موصوف دیباچے کی عبارت کے چند جملوں کی عدم تفہیم سے اِس مغالطے میں پڑ گئے کہ خواجہ محمد کامگار خاں نے اپنے بھائی کے ایصالِ ثواب کے لیے اُن مجالس کی روداد نویسی کی، حالانکہ وہ اپنے سفرِ دہلی کے ارمغان کے طور پر اُنھیں مجالسِ کلیمی پیش کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ اُنھوں نے مندرجہ بالا اقتباس میں بھی لکھا ہے، لیکن شومیِ قسمت جب وہ وطن واپس گئے تو بھائی دنیا ہی میں نہ تھے۔ اُنھوں نے جب مجالسِ کلیمی کا دیباچہ لکھا تو گویا دل نکال کر صفحۂ قرطاس پر رکھ دیا۔

[۲]

خواجہ کامگار خاں حسینی، خواجہ برہان الدین کے فرزندِ ارجمند تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب خواجہ علاء الدین عطار سے ملتا ہے، جو خواجہ بہاء الدین نقشبند کے داماد تھے۔ اُنھیں کی نسبت سے یہ لوگ عطاری بھی کہلاتے تھے۔ اِن کا خاندان صدیوں تک سلسلۂ نقشبندیہ کا ارادت کیش رہا، لیکن یہ دونوں

بھائی سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ اِن کے بزرگوں کا وطن لاہور تھا۔ یہ دونوں بھائی اورنگ آباد میں مقیم تھے اور اُسی شہرِ خوش آثار کی خاک میں مدفون ہوئے۔

خواجہ کامگار خاں شاعر بھی تھے اور شاعری میں عالی تخلص کرتے تھے۔ مجالسِ کلیمی کے دیباچے میں اُنھوں نے اپنے بھائی کا جو مرثیہ لکھا ہے، اِس سے شاعری میں اُن کی فکری اور فنی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نثر میں بھی اُنھوں نے تین کتابیں لکھی ہیں۔ اِس مجموعۂ ملفوظات کے علاوہ اُنھوں نے اپنے پیرومرشد کے دو ملفوظاتی مجموعے بھی مرتب کیے:

(۱) احسن الشمائل (۲) ملفوظاتِ مولانا نظام الدین اورنگ آبادی

یہ دونوں مجموعے ہنوز غیر مطبوعہ ہیں اور اِن کے قلمی نسخے سلسلۂ چشتیہ کے مختلف کتب خانوں میں مل جاتے ہیں۔

[۳]

مجالسِ کلیمی تین بار اشاعت آشنا ہوئی (۳)، لیکن اب یہ مطبوعہ نسخہ نایاب ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی (م ۱۹۹۷ء) نے سالار جنگ میوزیم میں اِس کے خطی نسخے کا حوالہ دیا ہے۔ (۴) احمد منزوی کی مرتبہ فہرست میں پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود اِس کے چار نسخوں کی جو تفصیلات دی گئی ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں:

"ديره غازی خان ،تونسه شريف،آستانۀ سليمانيه،فقير محمود سديدی:نستعليق پخته: ۱۲۴۱ ه :ازروی خط نگارنده، آغاز برابر (ص ۱_۴۵)نعيم اختر مجددی

كراچی،انجمن ترقي اردو:اق ف ۹۳/۱:نستعليق :سدهٔ ۱۳ ه :آغاز :مجلسِ اوّل :روزيك شنبه بيست و هشتم ربيع الاوّل ۱۱۳۲ه سعادتِ قدم بوسی حاصل شد(ص ۱ _۵۹)عارف نوشاهی

اتك ،مكهڈ:كتب خانۀ مولانا محمد علی ،محمد صالح :نستعليق مجد الدين[؟]۱۳۵۶ه:آغاز برابر نمونه(ص ۱۲۴) پروفيسرملك

ملتان،جھانیان،جلد ١/١١٤۔آر: کتب خانۂ اللہ بخش اسد نظامی:نستعلیق خوش: گل محمد چودھرانی[؟]١٧۔صفر ١٣٦٠ھ: آغاز برابر نمونہ:نخستین مجلس ٢٧ ع ١/١٣٢١١ھ و آخرین ٧ ج ١ ١٣٢/١١ھ ورویهم ١٣ مجلس است(ص ٤٠)سعیدالظفر نوشاهی"۔(۵)

راقم کے پیشِ نظر مجالسِ کلیمی کے دو قلمی نسخے رہے ہیں۔ اُنھیں سے متن کی تصحیح اور ترتیب کا کام انجام دیا گیا ہے۔کوششِ بسیار کے باوجود حیدرآباد دکن، کراچی اور جہانیاں کے نسخوں تک رسائی ممکن نہ ہوسکی۔ مجالسِ کلیمی کا نسخۂ اوّل تونسہ مقدسہ کے کتب خانے کا مخزونہ ہے، جبکہ نسخۂ ثانی مکھڈ شریف کا مملوکہ ہے۔

تونسہ مقدسہ کا نسخہ ١٣۔ ذی الحج ١٣٤١ھ کا مرقومہ ہے۔کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔وہ کون تھا اور اُس نے کس نسخے سے کہاں اور کس کے لیے اس نسخے کی ترقیم کا اہتمام کیا؟ ترقیمہ نہ ہونے کی وجہ سے اِن سوالات کا کوئی جواب میسر نہیں۔غنیمت ہے کہ اُس کاتب کی بدولت اِس درِ بے بہا کو بقائے دوام کے بازار میں حیاتِ جاوداں مل گئی۔تونسہ مقدسہ کے کتب خانے سے کسبِ فیض کرنے والے اپنے اپنے رنگ میں اِس نسخے کی دید و باز دید سے مستنیر ہوتے رہے۔مولوی محمد الدین مکھڈی (م ١٩٧۵ء) نے اپنے کتب خانے کے لیے اس کی نقل تیار کی۔کئی نسخہ شناس اِس کے کوائف مرتب کرتے رہے۔ پروفیسر محمد اسلم نے اِس پر بھرپور مقالہ لکھ کر اِس کے مالہ و ماعلیہ سے قارئین کو آگاہ کیا اور اب یہی نسخہ اِس انتقادی متن کی اساس قرار پایا۔

یہ نسخہ ٢٣ اوراق پر مشتمل ہے۔ دورِ حاضر کے تقاضوں کے پیشِ نظر اِس پر صفحات نمبر بھی لگائے گئے ہیں۔ ہر صفحے پر ١٦ سطریں ہیں اور ہر سطر چودہ پندرہ لفظوں کو محیط ہے۔خط صاف اور خوانا ہے، لیکن خوب صورت اور دیدہ زیب نہیں۔

نسخۂ مکھڈ شریف مولوی محمد الدین مکھڈی کا دست نوشتہ ہے۔ اِس کی کتابت ١٤۔ جمادی الثانی ١٣٥٦ھ کو تکمیل آشنا ہوئی۔ یہ نسخہ تونسہ مقدسہ میں لکھا گیا۔مولوی صاحب نے کئی مقامات پر اُن

اغلاط سے بچنے کی کوشش کی، جو تو نسہ مقدسہ کے نسخے میں راہ پا گئی تھیں۔ یہ نسخہ ۷ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر سطروں کی تعداد کم از کم پچیس اور زیادہ سے زیادہ انتیس ہے اور ہر سطر میں کم از کم بیس الفاظ ہیں۔ کاتب کا خط خوانا ہے، مگر صاف اور خوب صورت نہیں۔

[۴]

مجالسِ کلیمی کے خطی نسخوں میں چند اغلاط پائی جاتی ہیں، تین کی طرف پروفیسر محمد اسلم نے توجہ دلائی ہے۔ یہ تصحیحات بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ راقم نے متن کی ترتیب اور تصحیح کے دوران میں، اِن سے استفادہ کیا ہے اور متن کے متعلقہ مقامات پر اِن کی روشنی میں تصحیح بھی کی ہے۔

نسخہ خوانی کے عمل میں پروفیسر صاحب موصوف سے بھی بعض تسامحات ہوئے ہیں، جن کی تصحیح بھی ضروری ہے، تا کہ متن اور اِس کے مندرجات کو اُن کے صحیح تناظر میں دیکھا جا سکے۔

(۱) ''شاہ کلیم اللہ نے ایک روز حاضرینِ مجلس کو بتایا کہ شاہی کتاب خانے میں فصوص الحکم کا ایک نسخہ تھا، جو مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ فرخ سیر نے وہ کسی نااہل شخص کو دے دیا اور اُس نے ضائع کر دیا۔'' (۶)

پہلی بات تو یہ کہ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے حاضرین کو نہیں بتایا کہ فصوص الحکم کا نسخہ فرخ سیر نے کسی نااہل کو دے دیا اور دوسرا یہ کہ: 'اور اُس نے ضائع کر دیا'۔۔۔ زائد از متن ہے اور مقالہ نگار کا اضافہ۔ متن کی عبارت کچھ اِس طرح ہے:

''شخصی از حضار عرض نمود که: کتابِ فصوص [الحکم] به خطِ مصنف در کتب خانهٔ فرخ سیر بود۔ در ایامِ سلطنت به فلان شخص که لائقِ انعامِ آن نه بود، بخشید''۔ (۷)

(۲) ''کامگار خاں لکھتے ہیں کہ اورنگ آباد میں اُن کے شیخِ طریقت حضرت نظام الدین کے کتب خانے میں بھی فصوص الحکم موجود تھی۔'' (۸)

شاہ کلیم اللہ جہاں آباد نے خواجہ کامگار خاں سے پوچھا کہ: کیا مولانا نظام الدین اورنگ

آبادی کے کتب خانے میں فصوص کا نسخہ موجود ہے؟ جواباً مرتبِ ملفوظات عرض گزار ہوا کہ: دو نسخے تھے۔ ایک نسخہ کسی نے عاریتاً لیا، لیکن واپس نہ کیا۔ البتہ دوسرا نسخہ کتب خانے میں محفوظ ہے۔

(۳) ''ایک روز کامگار خاں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو وہاں کتاب شرح الصدور کا ترجمہ سنایا جارہا تھا۔''(۹)

مجلسِ کلیمی میں شرح الصدور کا ترجمہ نہیں سنایا جارہا تھا، بلکہ غریب نواز متنِ کتاب کا تقابل کر رہے تھے اور حاضرین کے استفادے کے لیے عربی سے ترجمہ بھی کرتے جارہے تھے۔ مرتب نے زبان کا تذکرہ تو نہیں کیا، مگر آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ یقیناً فارسی زبان میں کیا جارہا تھا، جو اُس زمانے کی علمی، ادبی اور تدریسی زبان تھی۔

اِسی طرح خلیق احمد نظامی سے بھی تاریخِ مشائخِ چشت میں چند تسامحات ہوئے ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) ''کامگار حسینی دہلی میں ہی تھے کہ بھائی کے انتقال کی خبرِ وحشت اثر اُن کو ملی۔''(۱۰)

خواجہ کامگار حسینی قیامِ دہلی کے دوران میں، اپنے بھائی خواجہ نورالدین حسینی کی وفات سے بے خبر رہے۔ مجالسِ کلیمی کی کسی بھی مجلس میں اُن کی رحلت کا ذکر نہیں ہوا۔ اگر توجہ سے مجالس کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا ذکرِ خیر جن مجالس میں بھی آیا ہے، اُس سے اُن کا زندہ ہونا ثابت ہے، مثلاً: پہلی اور آٹھویں مجلس کے احوال وغیرہ

(۲) ''اب اُس دلی کیفیت کی تسکین کے لیے جو واپسی پر بھائی سے نہ ملنے کے خیال سے پیدا ہوئی تھی۔ اُنھوں نے یہ سوچا کہ: مجالسِ شیخ کا حال لکھ کر مرحوم کی روح کو خوش کریں''۔(۱۱)

خواجہ کامگار خاں حسینی مجالسِ کلیمی کو اپنے سفرِ دہلی کے ارمغان کی صورت میں خواجہ نور الدین کی نذر کرنا چاہتے تھے (جیسا کہ دیباچے میں مذکور ہے)۔ اُنھوں نے کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ وہ مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے اپنے دادا مرشد کی محافل کا احوال رقم کر رہے ہیں۔ قرائن سے

معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے دیباچۂ کتاب اورنگ آباد واپس آ کر لکھا ہوگا۔

(۳) ''وہ ۲۸ ۔ ربیع الاوّل ۱۱۳۲ھ سے ۲۰ ۔ جمادی الاولیٰ ۱۱۳۲ھ تک شیخ کی خدمتِ بابرکت میں رہے۔'' (۱۲)

خواجہ کامگار حسینی ۲۷۔ ربیع الاوّل ۱۱۳۱ھ کو پہلی بار خدمتِ شیخ میں حاضر ہوئے۔ پہلی مجلس کے احوال بھی ۲۷ ویں تاریخ کو رقم ہوئے۔ وہ آخری بار ۸۔ جمادی الثانی کو مجلسِ کلیمی میں باریاب ہوئے۔ خلیق احمد نظامی نے سنہ وسال کے ساتھ ساتھ تاریخیں بھی غلط لکھی ہیں اور ایک مہینے (جمادی الثانی کے بجائے جمادی الاولیٰ) کا نام بھی۔ دوسرا یہ کہ خواجہ کامگار حسینی مذکورہ دورانیے میں مسلسل اور متواتر خدمتِ شیخ میں حاضر نہیں رہے۔ وہ امیر الامرا سید حسین علی خاں کے ساتھ سرکاری دورے پر تھے۔ اُنھیں منصبی مصروفیات سے جب بھی فراغت ہوتی تھی تو وہ خدمتِ شیخ میں زیارت اور کسبِ فیض کے لیے چلے آتے تھے۔

(۴) ''اُن کا انتقال مرشد کی حیات میں ہی (۲۷۔ ربیع الاوّل ۱۱۳۲ھ) ہوگیا تھا۔'' (۱۳)

خواجہ محمد نورالدین کا انتقال ۱۱۳۱ھ میں ہوا، نہ کہ ۱۱۳۲ھ میں۔

(۵) ''۶۔ ربیع الثانی ۱۱۳۲ھ کی ایک مجلس کا حال کامگار خاں نے لکھا ہے: 'پسرِ شاہ رفیع الدرجات دولتِ پای بوس حاصل کرد، ذکر در......'' (۱۴)

خلیق احمد نظامی کی توجہ اِس تاریخی مغالطے کی طرف مبذول نہ ہوئی اور وہ سہوِ کاتب کو رواروی میں نقل کر گئے۔ سال ۱۱۳۱ھ ہونا چاہیے تھا، کیونکہ مذکورہ بالا تاریخِ ماہ وسال کو رفیع الدرجات کو وفات پائے کئی مہینے گزر چکے تھے۔

(۶) ''مجالسِ کلیمی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک واقعہ نگار نے شیخ کی روانگی کی تاریخ ایک دن بعد یا پہلے لکھ دی تو اورنگ زیب نے اُس کی گرفت کی''۔ (۱۵)

اورنگ زیب عالمگیر نے واقعہ نگار کی گرفت نہیں کی۔ واقعہ یوں ہے کہ جب شیخ یحییٰ مدنی کے ایک صاحبزادے دہلی تشریف فرما ہوئے تو اُن کی ملاقات عالمگیر سے ہوئی۔ دورانِ ملاقات

بادشاہ نے پوچھا کہ: شیخ کس تاریخ کو حجاز روانہ ہوئے؟ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا:۲۶ویں رجب کو۔ بادشاہ نے کہا: لیکن واقعہ نگار نے روانگی کی تاریخ ۲۷ویں رجب لکھی ہے۔ اِس پر اُنھوں نے فرمایا: "بیست و ششم بود، واقعہ نگار شب را در روز محسوب نمودہ باشد۔" (۱۶)

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے یہ واقعہ اورنگ زیب عالمگیر کی خبرداری، قوی یادداشت اور کارِ منصبی میں دلچسپی کے حوالے سے بیان فرمایا تھا۔

[۵]

مجالسِ کلیمی پر فوائدالفواد کی فکری اور تکنیکی گرفت بہت مضبوط ہے۔ خواجہ محمد کامگار خاں حسینی نے امیر حسن علاء سجزی دہلوی (م ۷۳۸ھ) کے اُسلوب اور رنگ میں مجالس کو وقت، دن، تاریخ اور سنہ وسال کے تذکرے سے مزین کر کے تاریخی مناظر کی معنوی جمالیات کے آنگن میں عکس انداز کیا ہے، جس سے مرتب کے تاریخی شعور اور اُس معاشرے پر تاریخ وثقافت کی فکری اثر اندازی کی تفہیم اور تعبیر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اِس مجموعۂ ملفوظات کی مجالس کی تاریخ وار تفصیل حسبِ ذیل ہے:

- مجلسِ اوّل: ۲۷ ربیع الاوّل ۱۱۳۱ھ بروز ہفتہ
- مجلسِ دوم: ۴۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز جمعہ
- مجلسِ سوم: ۶۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز اتوار
- مجلسِ چہارم: ۱۰۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز جمعرات
- مجلسِ پنجم: ۱۱۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز جمعہ
- مجلسِ ششم: ۱۴۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز پیر
- مجلسِ ہفتم: ۱۷۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز جمعرات
- مجلسِ ہشتم: ۱۸۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز جمعہ
- مجلسِ نہم: ۲۰۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز اتوار
- مجلسِ دہم: ۲۱۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز پیر

- مجلسِ یازدہم: ۲۶۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز ہفتہ
- مجلسِ دوازدہم: ۲۸۔ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ بروز پیر
- مجلسِ سیزدہم: ۷۔ جمادی الاوّل ۱۱۳۱ھ بروز بدھ
- مجلسِ چہاردہم: ۸۔ جمادی الاوّل ۱۱۳۱ھ بروز جمعرات

اگر اِس مجموعے میں زمانی اور تاریخی تناظر کی جلوہ آرائی کے مناظر اپنے تمام تر جمالیاتی اُسلوب میں مرتسم نہ ہوتے تو تاریخ کے کئی رنگ ہمارے نظروں سے اوجھل ہو کر زمانے کی گرد میں گم ہو جاتے، مثلاً: خواجہ محمد نور الدین کی تاریخِ وفات کا تذکرہ کسی دوسرے ماخذ اور منظر نامے میں مذکور نہیں۔ پہلی اور آخری بار اِس واقعے کی تاریخی تعبیر اِس مجموعۂ ملفوظات میں منعکس ہوتی ہے اور مرحوم کی محبوبانہ روشِ زیست کا اظہار یہ بن کر ماحول کو اُداسی اور ملال کی کیفیت سے ہم آہنگ کرتی ہے اور اُن کے اوصافِ حمیدہ کے تناظر میں مرتب کا دُکھ اور کرب: تخلیقی طرزِ احساس کے قرینے میں ڈھل جاتا ہے۔ اِسی طرح جامع مسجد دہلی میں جمعے کے روز رفیع الدرجات کی آمد پر استقبال کے لیے امیر الامرا سید حسین علی خاں اور قطب الملک یمین الدولہ سید عبداللہ خاں کی موجودگی اور پھر رفیع الدرجات کی شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی محفل میں جبیں سائی کے مناظر کسی دوسرے تذکرے میں مذکور نہیں۔ صرف یہی مجموعۂ ملفوظات اِن مناظر کا عکس گر ہے۔

[۶]

خواجہ کامگار خاں حسینی کا اسلوبِ نگارش سادہ، مگر دل نشیں ہے۔ سادگی میں پُرکاری اور دل نشینی میں معنوی تہہ داری کے رنگ نمایاں ہیں۔ کہیں کہیں منظر آرائی میں وہ اپنے اُسلوب کی رنگینی کی بہار بھی دکھاتے ہیں، لیکن اُن کی زیادہ تر توجہ گفتگو کی فکری تعبیر اور تفہیم پر مرکوز رہتی ہے۔ اِس طرح اُن کا اسلوبِ اظہار: عبارت آرائی کا طلسماتی پیکر اوڑھ کر تخیلاتی رنگوں کی دھند میں گم نہیں ہوتا، بلکہ وہ معنی آفرینی کی جمالیاتی رنگارنگی کا ترجمان بن کر فکر و فرہنگ کا عکاس بن جاتا ہے۔ وہ جزئیات سے کلیات کی تشکیل پذیری کا ہنر جانتے ہیں، کیونکہ جب وہ منظر سے پس منظر کی تخلیق

کرتے ہیں تو پیش منظر: منظرنامے میں ڈھل کر اُسلوب کی رنگینی کو تازگی اور تخلیقی اظہار کو چاشنی سے مملو کر دیتا ہے۔ یوں اُن کے ہاں فکر کی معنوی بصیرت افروزی متنوع رنگوں کا لبادہ اوڑھ کر جلوہ گر ہوتی ہے تو جز سے کل کا سفر معنوی مدار میں مجلس کی خارجی رنگ آمیزی کو اُس کے داخلی اور وجدانی تفکر سے باہم آمیخت کر کے اُسلوبیاتی سطح پر ایک نئے منظرنامے کی تشکیل کرتا ہے، جو ایک طرف لفظ کی تہذیبی معنویت کو جمالیاتی آہنگ سے آشنا کرتی ہے تو دوسری طرف اِس کا رابطہ معنوی آفاق تک پھیل جاتا ہے۔

[۷]

مجالسِ کلیمی کی ترتیب وتہذیب کے دوران میں:

(۱) نسخۂ تونسہ مقدسہ کو اساسی نسخہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ دستیاب نسخوں میں یہ قدیم تر تھا۔ نسخۂ ثانی اِس کی نقل پر مبنی ہے۔

(۲) اساسی نسخے میں جہاں کہیں بھی عبارت الجھی ہوئی تھی یا اُس کے جملے اضطراب آشنائی کی وجہ سے معنی کی ترسیل اور حُسنِ ادا کی خوش نمائی میں رکاوٹ تھے۔ اُنھیں نسخۂ ثانی کے تناظر میں بدل دیا گیا ہے اور ایسے مقامات کی حواشی میں نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔

(۳) جہاں کہیں راقم نے کوئی اضافی یا قیاسی لفظ متن میں شامل کیا ہے، اُسے بڑی بریکٹ میں لکھا گیا ہے، تاکہ اُسے اصل متن سے علیحدہ شناخت کیا جا سکے۔

(۴) متن کی بہتر تفہیم کے لیے مختلف مقامات پر حواشی لکھے گئے ہیں، جو منشائے مصنف کے مطابق متن کے معنوی نظام تک رسائی میں معاون ہوں گے۔

(۵) تیسری مجلس کے متن سے ایک جملہ حذف کیا گیا ہے، جو تاریخی اعتبار سے درست نہیں تھا۔

(۶) متن میں جہاں کہیں کسی کتاب کے کسی خاص واقعے یا کسی معنوی تناظر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، راقم نے اصل کتاب کی طرف رجوع کر کے، اصل متن کو حاشیے میں نقل کر دیا ہے، یا پھر اُس کی نشاندہی کر دی گئی ہے، تاکہ اصل تک مراجعت میں آسانی رہے۔

(۷) متن میں جو قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ مذکور ہیں، حواشی میں اُن کی تخریج بھی کر دی گئی ہے۔

(۸) متن کی ترتیب وتہذیب میں فارسی کا جدید املا اختیار کیا گیا ہے، لیکن کلی طور پر ایرانی اسلوبِ املا کی پیروی نہیں کی گئی۔

[۸]

مجالسِ کلیمی مختلف اور متنوع رنگوں سے مزین ہے۔ اِس میں زندگی اور اِس کے رنگا رنگ موسموں کی بہار دیدنی ہے۔ اِس مجموعے میں گنجینۂ معانی کی فکری اپیل بھی ہے اور مشاہداتی اور وجدانی رنگوں کی بہار بھی؛ اِس میں تاریخی منظرنامے بھی ہیں اور سیاسی احوال کی عکس اندازی بھی؛ ماضی کا تذکرہ بھی ہے اور مستقبل کی منظر آرائی بھی؛ زندگی کے معاشرتی رویے بھی ہیں اور فکری تلازمے بھی؛ محبت کا رنگ بھی ہے اور تربیت کا آہنگ بھی۔ یہ مجموعہ معنوی اختصار اور فکری جامعیت کی عمدہ مثال ہے۔ خواجہ کامگار حسینی نے چودہ مجالس میں شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی خانقاہ میں گل افشانیٔ گفتار کے اتنے رنگ محفوظ کیے ہیں کہ اِن سے سلسلۂ چشتیہ کے طریقۂ تدریس اور نظامِ تربیت کی ہمہ گیری کے مناظر منعکس ہوتے ہیں۔ شیخ کی گفتگو زندگی کے ظاہری اور داخلی رویوں کو کس طرح ایک نقطۂ اتصال پر منعکس کرتی ہے؟ اِس کی جمالیاتی توجیہہ کے متنوع مناظر اِس مجموعے کی مجالس میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ بے رنگی کی وجدانی اور مشاہداتی تعبیر جب رنگا رنگ مناظر کے کینوس پر بکھرتی ہے تو زندگی کے ہمہ گیر رویوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ اِس سے معاشرے پر سلسلۂ چشتیہ کی فکری اور روحانی اثر اندازی کے رنگ دیکھے جا سکتے ہیں۔ بادشاہوں کے دربار سے دوری اور اُن کے حسنِ سلوک سے بے نیازی: معاشرتی اور سماجی زندگی میں اِس سلسلے کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ سلسلہ عوامی زندگی کو اپنے دامن میں یوں سموئے ہوئے ہے کہ اِس کی بدولت انکسار اور عجز و نیاز کے خوش رنگ قافلے انفس و آفاق کی سیر کے لیے رواں دواں رہتے ہیں اور اِن سے انکسارِ ذات کے رنگ بھی بکھرتے ہیں اور اثباتِ ذات کے موسم بھی طلوع ہوتے ہیں۔

حوالے:

(۱) مجالسِ کلیمی (خطی): خواجہ محمد کامگار خاں حسینی: نسخہ مخزونہ تونسہ مقدسہ: برگ ۲ب اور ۱۳الف

(۲) ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت: ادارہ تحقیقاتِ پاکستان دانشگاہِ پنجاب، لاہور: ۱۹۹۵ء: ص ۴۶۵

(۳) مختلف ذرائع سے مجالس کی تین اشاعتوں کا علم ہوا، لیکن تلاشِ بسیار کے بعد اس کی صرف ایک اشاعت تک رسائی ممکن ہو سکی۔ البتہ ان اشاعتوں کے مطبوعہ کوائف حسبِ ذیل ہیں: (i) مجالسِ کلیمی (فارسی): مطبع برہانیہ، حیدرآباد: ۱۳۲۸ھ: ۴۸ص (ii) مجالسِ کلیمی (فارسی): حیدرآباد: ۱۹۱۱ء: ۴۰ص (iii) مجالسِ کلیمی (فارسی): ۱۹۱۹ء: ۶۶ص

(۴) تاریخِ مشائخِ چشت: ادارہ ادبیات، دہلی: ۱۹۸۴ء: ص ۹۳

(۵) فہرستِ مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان (جلد سوم): مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد: ۱۹۸۴ء: ص ۱۸۶۶

(۶) ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت: ص ۴۶۶

(۷) مجالسِ کلیمی (خطی): برگ ۱۱۲الف

(۸) ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت: ص ۴۶۸

(۹) محولہ بالا: ص ۴۶۸۔۴۶۹

(۱۰) تاریخِ مشائخِ چشت: ص ۱۸۱

(۱۱) محولہ بالا: ص ۱۸۱

(۱۲) محولہ بالا: ص ۱۸۰

(۱۳) محولہ بالا: ص ۱۸۰

(۱۴) محولہ بالا: ص ۱۳۴۔۱۳۳

(۱۵) محولہ بالا: ص ۹۳

(۱۶) مجالسِ کلیمی (خطی): برگ ۷الف

☆☆☆☆☆

جنگ نامہ منسوب بہ قاسم نامہ

مولانا شمس الدین اخلاصیؒ

در منقبت خواجہ مکھدی پیر و مرشد خود ما قال اعلام ارشادہ رافعتہ وابقاہ اللہ مفیداً مادام الایام واللیالی باقیۃً

بہ انساں کہ چوں یک تن آراستند ۳۲۲ چو چشم امتِ مصطفیٰ خواستند

دریں چشم چوں دیدہ را مرُدمک ۳۲۳ بود خواجۂ پاک سیرت ملک

کہ در مُلکِ اِزْ شَاذْ شد سایہ دار ۳۲۴ سرانِ زماں بر درش باجدار

چو یوسف زِبُرجِ سعادت مہے ۳۲۵ بہ مصرِ مکھدست نامے شہے

زِ فضلِ الٰہی بہ سر تاجِ اُو ۳۲۶ جہانے بہ دیدار محتاجِ اُو

بود رُوْدِ نیلش ز دریائے سند ۳۲۷ عزیزے تر اَزْ نیک نامانِ ہند

چو یعقوب عالم پُر اَزْ عشقِ اُو ۳۲۸ صدف ہائے دل اَزْ درِ صدقِ اُو

بہ نام آمدہ محی اسلام و دیں ۳۲۹ بہ پیشش غلام ست خدمت گزیں

گرامی زِ مسند نشیندگاں ۳۳۰ گزیدہ تر اَزْ دست گیرندگاں

اَزْوْ رُونق و زیب دارست صدر ۳۳۱ منور رُخش ہم چو تابندہ بدر

نیاید زِ من وصف در خوردِ اُو ۳۳۲ نیم لائق نام دِل بُردِ اُو

عبارت زِ اُوصافِ اُو قاصر است ۳۳۳ بہ تحریر شاں کے قلم قادر است

درِ نادر آمد ز بحرِ کمال ۳۳۴ عجب گوہر آمد ز کانِ جمال

بہ ذاتِ خود آں ہست دُوْ شمیں ۳۳۵ کہ باشد سزاوار ہر آفریں

کہ بے مثل خور بر زمیں تافتہ ۳۳۶ اَزُو روشنی روئے دیں یافتہ

صلا در جہاں دادہ ہمچوں خلیل ۳۳۷ دواں لقمہ جویانش از ہر سبیل

ازاں خضر سیما خور تابناک	۳۳۸	بر آمد ز انوارہا روئے خاک
بہ اُمید آں کاورد یک نظر	۳۳۹	سرِ سروراں اُو فتادہ بدر
بہ بحرِ علوم آں شناور بود	۳۴۰	کزو نکتہ نادر رُخ آور بود
چہ گویم بود حوت علم الیقیں	۳۴۱	علَم بر کشیدہ بحق الیقیں
ز توحید باشد سخن راندنش	۳۴۲	ز عرفاں بود گنجے افشاندنش
بہ قُدسی چو ہم آشیاں می شود	۳۴۳	ز امکانِ جمیت جہاں می شود
بر آید چو یعقوب اُزو رمزِ شوق	۳۴۴	بِنائے مریداں در آید چو طوق
ز صورت گہش می رباید مرید	۳۳۴۵	بہ اسرار حقش دہد چشم دید
بہ صدق و اِرَادت گہے رہنما	۳۴۶	کہ اَز مہر شربت نماید عطا
بود لجۂ بحرِ وحدَت دِلش	۳۴۷	صدف دار کثرت بود ساحلش
خدایا بہ پیراں جواں دولتاں	۳۴۸	کہ تا ہست باقی زمیں و زماں
نگہدار باقی بہ حفظِ خودش	۳۴۹	ز آسیب دہرو ز چشمِ بدُش
کہ آمد چراغ شبستانِ دیں	۳۵۰	جزو ہست تاریک روئے زمیں
بہ خنداں گلے اَز رضائے خودش	۳۵۱	کرم خاص کُن اَز بقائے خودش
نسیمِ مُرادش چو بوئے دہد	۳۵۲	گُلش ہر زماں تازہ روئے دہد
سعادت بہ اخلاصی آرد پیام	۳۵۳	ز شہ دولتے رُو کند با غلام
بہ دِہ ساقی اکنوں کہ جاں باقی است	۳۵۴	مئے کو ز پیرِ مغاں باقی است
کہ یکدم چو در ذوق مستی روم	۳۵۵	دریں شغل اَز یاد ہستی روم

☆☆☆☆☆

تذکرہ اساتذہ کرام درس گاہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی

حضرت علامہ حافظ عبدالقدوس چھچھوی ؒ

علامہ حافظ محمد اسلم

یوں تو حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کی مشہور زمانہ عظیم درسگاہ پاک و ہند میں اپنا علمی، عملی اور ادبی و روحانی فیوض و برکات کا لوہا منوا چکی تھی۔ لیکن آپ کے اس عظیم مشن کو مزید جلا بخشنے کے لیے کچھ ایسی شخصیات بھی تشریف لاتی رہیں۔ جنھوں نے مولانا صاحب کی جلائی ہوئی شمع کو مشرق و مغرب تک متعارف کرا دیا۔ ایسی ہی نایاب شخصیات میں سے اُستاذ الکل حضرت علامہ حافظ عبدالقدوس چھاچھوی کا بھی اسمِ گرامی بہت نمایاں ہے۔ آپ علاقہ چھچھ (اٹک) کے باشندے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم حفظِ قرآن مع کتب درسیہ شرح جامی وغیرہ تک کی تعلیم چھچھ کے مدارس ہی میں حاصل کی تھی۔ بعدازیں مزید شوقِ تعلیم کے لیے جب آپ نے بیرون مدارس کی طرف سفر فرمایا تو آستانہ عالیہ مکھڈ شریف کی عظیم شخصیت حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کے شاگردِ رشید زینت الاولیاء حضرت مولانا محمد زین الدینؒ انگوی ثم مکھڈی کا میدان تدریس میں ایک منفرد اور دِل کش انداز حافظ صاحب کے گوش طلب میں مسموع ہوا؛ تو حافظ صاحب چھچھ کی وادیٔ سرسبز کو بخاطر علمِ دین مکھڈ شریف کی وادیٔ غیر ذی ذرع کے لیے خیر آباد کرتے ہوئے زینت الاولیاء کے پاس مکھڈ شریف حصولِ تعلیم کے لیے تشریف لائے۔

حضرت مولانا محمد الدینؒ مکھڈی اپنے والد گرامی رئیس المحدثین حضرت مولانا غلام محی الدینؒ کے حوالے سے "تذکرۃ الصدیقین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے پیرومرشد حضرت والدِ بزرگوار کی زبان مبارک سے سنا؛ کہ جب استاد حافظ عبدالقدوس صاحب زمانہ طالب علمی میں مکھڈ شریف تشریف لائے؛ تو مولوی سراج الدین انجروی کے والدِ گرامی ایک حجرہ

☆ مدرس درس نظامی، خانقاہ معلّٰی حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف [اٹک]

میں کسی طالب علم کو" کافیہ" کا سبق پڑھا رہے تھے، استاد عبدالقدوس صاحب سب سے پہلے ان کے پاس جا بیٹھے۔دورانِ سبق حافظ صاحب نے کوئی اعتراض کیا مولوی صاحب نہایت سادہ اور صاف دل انسان تھے۔فرمانے لگے (حافظ عبدالقدوس صاحب کو مخاطب کرتے ہیں۔میاں میں تو سادہ ترجمہ پڑھانا جانتا ہوں ، مجھ کو یہ باتیں نہیں آتیں۔لہٰذا مجھے معاف کرو)۔حافظ عبدالقدوس صاحب وہاں سے اُٹھ کر آستانہ شریف میں جہاں حضرت خواجہ زین الدین" تشریف فرما تھے۔آپ کے پاس چلے آئے حضرت خواجہ صاحب لیٹے ہوئے (ضعف اور کمزوری کی بنا پر) طالب علم کو" کافیہ" کا درس فرما رہے تھے۔حافظ صاحب نے یہاں بیٹھ کر اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا حضرت خواجہ صاحب اسی حالت میں لیٹے ہوئے حافظ صاحب کے جواب فرماتے رہے؛ لیکن حافظ صاحب نے اعتراضات کا تھیلا بھرا ہوا تھا جو نہ ختم ہونے والا تھا حضرت خواجہ صاحب ۷۔۸، اعتراضات کا جواب فرمانے کے بعد اُٹھ بیٹھے اور حافظ صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اچھا اب اعتراض کرو۔حافظ صاحب نے جب اعتراض کیا تو حضرت خواجہ صاحب نے اُس کا جواب دے کر اُسی اعتراض کو توڑ پھوڑ کر حافظ صاحب پر اعتراض وارد کر دیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ صاحب کی شوخی ختم ہوگئی اور لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب کے حلقۂ تدریس میں داخل ہو کر شرفِ شاگردی سے مفتخر ہوئے۔حافظ صاحب بہت بے نظیر اور بے ریا عالم تھے اور آپ کی زندگی کا اکثر حصہ مکھڈ شریف میں ہی گزرا۔(تذکرۃ الصدیقین، ص ۲۲)

مذکورہ کتاب ہی میں صاحبِ تذکرۃ المحبوب (مولانا عبدالنبیؒ بھوئی گاڑوی) کے حوالے سے مذکور ہے کہ ایک دن حضرت زینت الاولیا نے فرمایا کہ میاں عبدالقدوس لائق طالب علم تھا۔اور اسباق کا مطالعہ بھی کرتا تھا اور محکم الدین (حضرت خواجہ زین الدینؒ کے لختِ جگر) باوجود اس کے مطالعہ بھی نہیں کرتا تھا لیکن سبق پڑھتے وقت حافظ عبدالقدوس سے زیادہ سمجھداری سے پڑھتا تھا (ص، ۸۴)

تاہم اس فرمانِ عالیشان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حافظ صاحب اور مولانا محکم الدین صاحب ہر دو حضرات زینت الاولیاء کے پاس ہم سبق تھے۔نیز راقم الحروف کی ورق گردانی کے

مطابق اُستاد حافظ عبدالقدوس صاحب کا ذکر مبارک ''تذکرۃ الصدیقین'' میں ۳ مقامات پر مذکور ہے۔ بہر صورت قبلہ حافظ صاحب حضرت زینت الاولیاء کی اجازت سے استاذ العلماء علامہ مفتی لطف اللہ علی گڑھی کے پاس علی گڑھ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے تمام علوم و فنون بمع حدیث شریف کی تکمیل کی اور یہ بھی یاد رہے کہ حافظ عبدالقدوس کا شمار مولانا لطف اللہ کے لائق ترین تلامذہ میں ہوتا ہے جیسا کہ خواجہ رضی حیدر استاذ العلماء کے ایک ضمیمہ میں فرماتے ہیں کہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے تلامذہ میں جن علما نے علمی شہرت حاصل کی؛ ان لائق ترین علما میں سے حافظ عبدالقدوس کیملپوری بھی سرفہرست ہیں۔ حافظ عبدالقدوس صاحب کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ آپ اپنے استاذِ محترم کی معیت میں کچھ عرصہ علی گڑھ میں تدریس بھی فرماتے رہے۔

جیسا کہ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی اپنی تصنیفِ لطیف ''استاذ العلماء'' میں بیان فرماتے ہیں کہ قیام علی گڑھ کے دوران استاد مولانا لطف اللہ جامع مسجد کے جنوبی منارے کے متصل اسباق پڑھایا کرتے تھے اور مولوی حافظ عبدالقدوس پنجابی جامع مسجد کے اندر تدریس فرماتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد حافظ عبدالقدوس صاحب اپنے استادِ سابق حضرت مولانا زین الدین کے حکم کے مطابق مکھڈ شریف تشریف لے گئے اور گاہے بگاہے مولانا لطف اللہ علی گڑھی کی ملاقات اور قدم بوسی کے لیے علی گڑھ میں حاضری دیتے رہتے تھے۔ (استاذ العلماء، ص ۲۴)

یونہی علامہ فیض احمد ''مہرِ منیر'' میں علامہ غلام محمد گھوٹوی کے حوالے سے ایک بڑا دلکش واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا قیامِ علی گڑھ میں ایک خاص واقع پیش آیا جو میں نے خود حضرت پیر صاحب سے سُنا تھا کہ حافظ عبدالقدوس سکنہ مکھڈ شریف ضلع کیمبل پُور، صرف ونحو کے بڑے ماہر تھے۔ حتیٰ کہ حافظ صاحب کو تمام درسی کتابیں یاد تھیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم پنجاب میں اور باقی تمام علوم کی تحصیل مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے کی تھی۔ حافظ عبدالقدوس صاحب کی عادت مبارک تھی کہ آپ سال دو سال کے بعد ہمیشہ اپنے استاد مولانا لطف اللہ کی

زیارت کے لیے علی گڑھ تشریف لاتے تھے۔ اور کئی کئی ماہ آپ وہاں قیام بھی فرماتے۔ اتفاق سے حافظ عبدالقدوس صاحب کی موجودگی میں مولانا عبداللہ ٹونکی بھی جو مولانا لطف اللہ کے شاگرد تھے اپنے استاد کی زیارت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ حافظ عبدالقدوس مکھڈی اور مولانا عبداللہ ٹونکی کے بھی ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات و مراسم تھے۔ ان ایام میں حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھی علی گڑھ حصول تعلیم کے لیے تشریف فرما تھے۔

حافظ عبدالقدوس صاحب نے حضرت پیر صاحب سے کہا کہ پیر جی! یہ مولوی عبداللہ اپنے علم پر بہت نازاں ہیں۔ اگر ان سے کچھ علمی گفتگو ہو جائے تو خوب رہے گی۔ فرماتے ہیں ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ مولانا لطف اللہ سے کسی طالب علم نے کوئی سوال پوچھا اور اُس وقت مولانا عبداللہ ٹونکی جو ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے۔ استادِ محترم کی اجازت کے بغیر پیش دستی کر کے جواب دے دیا۔ تو حضرت پیر صاحب کو یہ حرکت ناگوار گزری۔ آپ نے اپنے اُستادِ محترم کی طرف دیکھا اور اُن کے چہرے سے اشارہ پا کر علم نحو کی زیر سبق کتاب ''کافیہ'' کی ابتدائی عبارت ''اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ'' وُضِعَ لِمَعْنیً مُفْرَدٍ'' کے متعلق مولانا ٹونکی سے سوال کیا کہ مفرد کو مجرور پڑھنا کیسا ہے۔ مولانا ٹونکی نے کہا جائز ہے۔ تو حضرت پیر صاحب نے سوال کیا کہ جب کسی فعل کا تعلق کسی اسمِ موصوف سے ہو تو اِتصاف حالت تعلق کے وقت ہوتا ہے۔ یہاں لِمَعْنیٍ کا تعلق وُضِعَ سے ہے اور بتقدیر حرف جر معنیٰ موصوف ہوگا۔ تو یہاں یہ لازم آئے گا کہ معنی کا افراد بحالت وَضع ہو حالانکہ وَضع، افراد، اور ترکیب کا سبب ہے۔ ضابطہ ہے کہ مسبب سبب کے بعد ہوتا ہے۔ مولانا ٹونکی نے پیر صاحب سے کہا کہ آپ نے اعتراض میں غلطی کی ہے۔ آپ کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ اتصاف تعلق سے قبل ہوتا ہے نہ کہ حالتِ تعلق میں۔ تو حضرت پیر صاحب نے مولانا ٹونکی کو ایک مثال پیش کی۔ جسے مولانا ٹونکی سن کر خاموش ہو گئے اور اُستاد لطف اللہ صاحب نے زیر سبق کتاب بند کر دی اور حضرت پیر صاحب کی تقریر سے بہت خوش ہوئے۔ وہاں حافظ عبدالقدوس صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ حافظ صاحب نے بڑے عجیب عجیب انداز میں خوشی کا

اظہار کیا۔ تاہم مولانا ٹونکی پیر صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دینے لگ گئے لیکن حافظ عبدالقدوس صاحب کے سمجھانے سے مرعوب ہو کر لوٹ گئے۔ (مہر منیر، ص ۷۷)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حافظ صاحب کا علمی مقام علما کے ہاں کیا ہے اور اپنے اُستادِ محترم کی زیارت کے لیے کس قدر طویل سفر فرماتے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا ٹونکی سے آپ کو کچھ عداوت اور دشمنی نہ تھی؛ چونکہ وہ اپنے علم پر نازاں رہتے تھے اور حافظ صاحب ایک بے ریا عالم تھے۔

حافظ صاحب کی مدح خوانی حضرت پیر مہر علیؒ کی زبانی

چونکہ حافظ صاحب کا حضرت پیر صاحب کے ساتھ ایک تعلق خاص تھا۔ اس لیے پیر صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک دن مدرسہ علی گڑھ میں اپنے حجرے کے اندر کسی خاص حالت میں حافظ شیرازی کے اشعار پڑھ رہا تھا۔ حافظ عبدالقدوس صاحب اور چند دیگر اشخاص حجرے کے باہر جمع ہو کر میرے اشعار سن رہے تھے۔ اور وہ بہت ہی مسرور ہوئے۔ خصوصاً حافظ عبدالقدوس صاحب پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ مولوی غازی صاحب کو معلوم ہے کہ حافظ عبدالقدوس وہ شخص تھے جو کسی وقت بھی کتابوں کا مطالعہ نہیں چھوڑتے تھے۔ حتیٰ کہ جب میں نے سیال شریف کی طرف سفر کا ارادہ کیا اور شہر سے باہر نکلا تو حافظ عبدالقدوس صاحب بھی میرے ساتھ شریکِ سفر تھے۔ حالانکہ اُس وقت ہمارے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ بفضلہٖ تعالیٰ جب ہم سیال شریف پہنچ گئے تو حافظ صاحب نے ایک روز مجلس میں حضرت سیالوی سے سوال کیا کہ حافظ شیرازی کے اس شعر کا کیا مطلب ہے۔

آں تلخوش کہ صوفی اُمّ الخبائش خواند
اُشھٰی لنا وَاَحلی من قبلۃ العذارا

حضرت شمس العارفین نے حافظ عبدالقدوس صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ حافظ جی اس طرح شعر کا معنیٰ ایک دن ہمارے حضرت اعلیٰ تونسویؒ سے کسی شخص نے دریافت کیا تھا۔

جس پر ہمارے حضرت نے فرمایا تھا کہ مصرع اولیٰ بشرط شے کے مرتبہ میں ہے۔ اور مصرع ثانیہ لا بشرطِ شے کے مرتبہ میں ہے۔

حافظ صاحب کا علمی مقام غازی صاحب کی نظر میں

مولوی غلام محی الدین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ مشائخِ چشت خصوصاً بزرگانِ مکھڈ شریف نمازِ مغرب میں قدرِ تاخیر کے قائل ہیں۔ لیکن دیگر کچھ حضرات نمازِ مغرب کی ادائیگی میں تعجیل کے قائل تھے۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ایک مرتبہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے مولوی محمد غازی خٹک کو مکھڈ شریف بھیجا۔ اُس وقت مکھڈ شریف کی درس گاہ میں حافظ عبدالقدوس صاحب تشریف فرما تھے۔ جب مولوی غازی صاحب سے مسئلہ مذکورہ کی نوعیت دریافت کی تو حافظ صاحب نے فرمایا: بالکل ہاں نمازِ مغرب میں تاخیر کے قائل ہیں اور مولوی غازی صاحب نے دلائل کا مطالبہ کیا۔ غازی صاحب کا ارادہ بحث مباحثہ کا تھا لیکن نمازِ مغرب کا وقت بھی قریب ہو چکا تھا تو حافظ عبدالقدوس صاحب نے فرمایا۔ نمازِ مغرب کے بعد اس مسئلہ پر آپ سے بمع دلائل گفتگو کی جائے گی۔ صاحبِ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب حافظ صاحب نمازِ مغرب کی امامت میں مشغول ہوئے تو مولوی غازی صاحب قبل از نماز جا چکے تھے۔ بعد میں کسی صاحب نے غازی صاحب سے پوچھا کہ آپ قبل از گفتگو کیوں تشریف لے گئے تو غازی صاحب فرمانے لگے کہ میرا حافظ عبدالقدوس صاحب کے ساتھ زمانہ طالب علمی سے تعلق رہا ہے۔ لہٰذا میں نے حافظ صاحب کو بھانپ لیا کہ حافظ صاحب کے اِس مسئلہ پر دلائل قوی ہوں گے۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ گفتگو نہ کی جائے۔ یونہی قبلہ حافظ صاحب کے علمی مقام کو بیان کرتے ہوئے استاذ العلماء رئیس المتکلمین علامہ عطا محمد بندیالویؒ کے حوالے سے آپ کے شاگردِ رشید علامہ فضل الرحمٰن بندیالوی (پروآ۔ ڈیرہ اسماعیل خان) بیان کرتے ہیں کہ قبلہ استاد صاحب حافظ عبدالقدوس صاحب کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ اپنے وقت کے امام نحو سیبویہ ہیں۔ اور علامہ عطا محمد بندیالوی کو بھی حافظ صاحب کے ساتھ بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ مولانا موصوف بیان کرتے ہیں

کہ ایک دن ہم قیامِ مکھڈ شریف کے دوران استاد بندیالوی صاحب سے کتب خانہ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کے سامنے ''الفیہ ابن مالک'' (کتابِ نحو) کا سبق پڑھ رہے تھے۔ دورانِ سبق ایک مشکل مقام آ گیا۔ استاد صاحب نے حل کرنے کی کوشش فرمائی لیکن وہ مقام ذرا اچھے انداز میں حل نہ ہو سکا تو استاذ صاحب فرمانے لگے۔ آج اگر علامہ حافظ عبد القدوس تشریف فرما ہوتے؛ تو ہم اُن سے یہ مشکل مقام حل کروا لیتے۔ تاہم استاد بندیالوی صاحب کی قبلہ حافظ صاحب کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ استاد صاحب ہر روز نمازِ عصر کے بعد حافظ صاحب کی قبر انور پر فاتحہ کے لیے حاضری دیا کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق جو دربار شریف کے اساتذہ و علما میں بہت مشہور ہے کہ جس طالب علم کو قرآن مجید حفظ نہ ہو رہا ہو یا قرآنِ مجید کی منزل یاد نہ ہوتی ہو؛ وہ حضرت مولانا عبد القدوس چھچھویؒ کی قبر انور پر قرآن خوانی کرے تو اُس کا یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

بہر صورت علم کا یہ سورج جو مکھڈ شریف سے طلوع ہو کر سرزمینِ ہندوستان تشنگانِ علم و حکمت کو اپنی روشنائی سے خوب منور کرتا رہا۔ بالآخر مکھڈ شریف ہی میں غروب ہو گیا۔ آپ کا مزار شریف خانقاہ معلّٰی کی جامعہ مسجد کے جنوبی مینار کے زیر سایہ مرجع خلائق ہے۔

ماخذ

۱۔ تذکرۃ الصدیقین، مولانا محمد الدینؒ مکھڈی، مطبوعہ فیروز سنز لمیٹیڈ، لاہور، س۔ن
۲۔ استاذ العلما، محمد حبیب الرحمٰن شروانی، مکتبہ قادریہ، لاہور، ۱۹۸۰ء
۳۔ ضمیمہ خواجہ رضی حیدر
۴۔ مہرِ منیر، علامہ فیض احمد گولڑہ شریف، ۲۰۱۱ء
۵۔ ملفوظاتِ مہریہ، حضرت پیر مہر علی شاہؒ، ۲۰۰۰ء
۶۔ مولانا فضل الرحمٰن بندیالوی سے گفتگو
۷۔ مولوی غلام محی الدین صاحب سے گفتگو

☆☆☆☆☆

حضرت پیر سید بادشاہ گیلانیؒ

افتخار احمد حافظ قادری ☆

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ ایک مقام پر اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک مولائے روم نہ بنا جب تک میں نے حضرت شمس تبریزیؒ کی غلامی اختیار نہ کی۔ حضرت امام شافعیؒ جب بیمار ہوئے تو سیدہ نفیسہ کی خدمت میں حاضری دیتے۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار تذکرۃ الاولیا میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام یوسف ہمدانی سے پوچھا گیا کہ حضرت جب یہ زمانہ گزر جائے اور یہ بزرگ حضرات بھی وصال فرما جائیں تو ایسا عمل بتائیں کہ سلامت رہیں تو اس پر حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ ہر روز آٹھ اوراق ان بزرگ لوگوں کے کلام کے پڑھ لیے جائیں تو یہ بہتری کا موجب ہوگا۔

اس افراتفری اور بے سکونی کے پُرفتن دور میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے اسلاف اور بزرگانِ دین کی زندگیوں؛ اُن کے عملی کارناموں اور روحانی تصرفات کا مطالعہ کریں اور پھر ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرنے کی بھی اگر صدقِ دل سے کوشش کریں تو اُمید ہے کہ انشاء اللہ ہماری زندگیوں میں ضرور تبدیلی آئے گی اور سکون کی دولت بھی نصیب ہوگی۔ کیونکہ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ قرآنِ پاک اور حدیثِ نبوی کے بعد کوئی کلام مشائخِ عظام کے کلام سے بڑھ کر بہتر و افضل نہیں کیونکہ ان کا کلام حال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ولی کامل اولادِ حضرت غوث اعظم حضرت پیر سید عبداللہ المعروف بادشاہ الگیلانیؒ جن کا مزار مبارک سدرہ شریف ڈیرہ اسماعیل خان میں اپنی نورانی کرنوں سے ایک عالم کو روشن و منور کر رہا تھا۔ آپ حضرت سید عفیف الدین گیلانیؒ حموی کے صاحبزادہ ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۰۲ھ پشاور میں ہوئی۔ ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت عفیف الدین گیلانی سے حاصل کی۔ بعد

☆ گلی نمبر ۹، مکان نمبر ۹۹۹۔ افشاں کالونی، راولپنڈی کینٹ

میں وقت کے کامل علما سے بقیہ تعلیم حاصل کی۔ روحانی منازل اپنے والدِ گرامی کی خدمت میں حاضر رہ کر طے کیے۔ ریاضت و مجاہدات کے ساتھ ساتھ اپنے آنے والوں کے بھی روحانی منازل کی تکمیل کرواتے رہے۔

آپ کا شجرہ نسب و شجرہ طریقت اپنے جدِ امجد حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتا ہے۔ حضرت سید بادشاہ کی اعلیٰ اخلاق کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی مہمان نواز بھی تھے۔ مسافروں اور مسلمانوں کا ہر طرح سے خیال رکھنے میں اپنے والدِ گرامی کے نقشِ قدم پر کار فرما تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی دین کی تبلیغ کے لیے دور دراز علاقوں کا سفر فرماتے۔ آپ کا حلقۂ مریدین بھی کافی پھیلا ہوا ہے۔ اپنے والدِ ماجد کی پیروی میں سال میں ایک بار ضرور مریدین کے پاس جاتے۔ اِن کی روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ دنیاوی امور میں بھی ان کی مدد فرماتے۔ آپ کے اخلاقِ عالیہ اور صفاتِ حمیدہ کی وجہ سے تمام علاقوں کے لوگ بالخصوص اہل پشاور آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے۔ تحریکِ پاکستان میں بھی آپ نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ۱۵ اپریل ۱۹۷۱ء کو آپ نے اس فانی دنیا کو الوداع کہا۔ آپؒ کو اپنے والدِ ماجد حضرت سید عفیف الدین گیلانیؒ کے احاطۂ مزار میں (پشاور) دفن کیا گیا۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کے مجھے ڈیرہ اسماعیل خان کہ ایک گاؤں سدرہ؛ جہاں آپ اپنی حیات میں تشریف لایا کرتے تھے وہاں دفن کیا جائے۔ چند وجوہات کی بناء پر فوری طور پر اس وصیت پر عمل نہ ہوسکا لیکن عرصہ ساڑھے چار سال گزرنے کے بعد ۱۰ جولائی ۱۹۷۶ء بعد نمازِ عصر آپ کی قبر کشائی کی گئی اور آپ کے تابوت کو نکال کر جب زیارت کے لیے باہر رکھا گیا تو دیکھنے والی ہر آنکھ محوِ حیرت میں ڈوب گئی؛ کیونکہ تابوت بالکل صحیح سلامت تھا بلکہ اس کی کسی بھی میخ کو زنگ تک نہ لگا تھا۔ کفن بالکل صحیح و سالم اور تابوت میں رکھے گئے پھول تک تازہ تھے۔ اُس روحانی منظر کو دیکھنے والی کئی شخصیات اب بھی موجود ہیں۔ ایسی کرامات اولیاء اللہ سے ہر دور میں صادر ہوتی رہی ہیں جن کا تذکرہ کتبِ تاریخ میں موجود ہے۔ طوالت سے بچنے کے لیے صرف ایک واقعہ کی طرف مختصر اشارہ کرتا ہوں کہ جس وقت

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کے پوتے حضرت شیخ عارف چلپی کا انتقال ہوا اور جب ان کو تابوت میں رکھا گیا تابوت چھوٹا ہونے کی وجہ سے آپ کے دونوں پاؤں مبارک تابوت سے باہر تھے۔حاضرین نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے کہ اچانک قدرت خداوندی سے آپ نے اپنے پائے مبارک کھینچ لیے اور یوں تابوت پورا ہو گیا۔اس واقعہ کو حضرت شمس الدین الافلاکیؒ نے ''مناقب العارفین'' جلد دوم میں درج کیا ہے۔

حضرت پیر سید بادشاہ کے تابوت کو زیارت کے بعد پشاور سے سدرہ لایا گیا۔آپؒ کے تابوت پر بادل کے ایک ٹکڑے نے سایہ کیے رکھا اور یہاں پہنچنے کے بعد درود و سلام کے ساتھ آپ کو اس موجودہ مقام پر دفن کیا گیا اور یہاں ایک گاؤں جو سدرہ تھا ایک گیلانی رزاقی سید کی برکت سے سدرہ شریف کہلانے لگا۔آپ کا سالانہ عرس شرعی پابندیوں کے ساتھ مارچ میں ہر سال منعقد ہوتا ہے جس میں ملک بھر سے آپ کے مریدین، متعلقین اور عقیدت مند شامل ہو کر روحانی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔عرس کی آخری محفل میں موجودہ سجادہ نشین شہزادہ غوث الثقلین السید محمد انور گیلانی مدظلہ العالی کا ایمان افروز خطاب ہوتا ہے۔دنیا کے اور ممالک کی طرح بحمد اللہ پاکستان میں بھی سرکارِ غوثِ پاک کے تبرکاتِ مقدسہ موجود ہیں۔انھی میں آستانہ عالیہ سدرہ شریف و ڈیرہ اسماعیل خان بھی سرِ فہرست ہے کہ جس میں حضور غوثِ پاک سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعدد تبرکات موجود ہیں؛ جن کی ہر سال مارچ کے مہینے میں عرس کے موقع پر زیارت کروائی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

۱۲ ربیع الاوّل ’’جشنِ صبح بہاراں‘‘ یا ’’۱۲ وفات‘‘؟

علامہ قدیر احمد نظامی ☆

برکتوں ،سعادتوں، مسرتوں اور رحمتوں بھرا مہینہ ماہ سعید ربیع الاوّل اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے اس ماہ مُبارک کی ۱۲ تاریخ پیر کے دن حضور سید المرسلین، خاتم النبیین ،رحمت اللعالمین ،آقائے دو عالم، نورِ مجسم، رب کے محبوب، والیٔ کون و مکاں، سیاحِ لامکاں، باعثِ تکوینِ عالم، فخرِ عالم و بنی آدم، نیر بطحا، راز دارِ ما اوحی ،شاہدِ ما طغیٰ ،صاحبِ الم نشرح، معصومِ آمنہ، احمدِ مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ماہِ ربیع الاول شریف کا چاند طلوع ہوتے ہی اہلِ ایمان کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ بالخصوص اس ماہِ مبارک کی ۱۲ تاریخ کو پوری دنیا میں اہلِ ایمان و اہلِ محبت اپنی توفیق کے مطابق خوشیوں اور مسرتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ حضور آقا ﷺ کے ساتھ محبت کا جذبہ رکھنے والے اپنے گھروں، گلی کوچوں، قصبوں اور شہروں کو سجاتے ہیں۔ جھنڈے اور جھنڈیاں لگاتے ہیں۔ بینر آویزاں کرتے ہیں۔ قمقمے روشن کرتے ہیں۔ جشن مناتے ہیں۔ جلوس اور ریلیاں نکالتے ہیں۔ میلاد کی محافل اور جلسے منعقد کرتے ہیں ۔ جہاں حضور ﷺ کے غلام خوشیوں کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔ وہاں ایک گروہ ۱۲ ربیع الاوّل کو یوم وفات نشر کر کے میلاد کے جشن ،محافل اور جلوس میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آیئے تاریخ کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کی یوم ولادت اور یوم وفات کے متعلق صحیح اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ کی تاریخِ وفات کی تحقیق

اس پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات ۱۲ ربیع الاوّل کے مہینہ میں پیر کے دن ہوئی۔ البتہ تاریخ میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک وفات کی تاریخ ۱۲ ربیع الاوّل ہے۔ لیکن

☆ مدرس، تلہ گنگ، ضلع چکوال

تحقیق یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات یکم یا دو ربیع الاوّل کو ہوئی ہے۔ اگر چہ یہ جمہور کے خلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے۔ کیونکہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ جس سال حجتہ الوداع تھا اس سال یوم عرفہ جمعہ کے دن تھا اور ذوالحجہ کی نو تاریخ تھی۔ اس اعتبار سے اگر فرض کیا جائے کہ ذوالحجہ، محرم اور صفر تینوں مہینے، ۳۰، ۳۰ دن کے تھے۔ تو پیر کے دن چھ ربیع الاوّل ہوگی اور یکم ربیع الاوّل بدھ کو ہوگی اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ تینوں مہینے ۲۹، ۲۹، کے تھے۔ تو پیر کے دن دو ربیع الاوّل ہوگی اور یکم ربیع الاوّل اتوار کو ہوگی؛ اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ دو مہینے تیس دن کے ہیں اور ایک مہینہ انتیس دن کا ہے تو پیر کے دن سات ربیع الاوّل ہوگی؛ اور یکم ربیع الاوّل منگل کے دن ہوگی اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ دو مہینے انتیس دن کے ہیں اور ایک مہینہ تیس دن کا ہے تو پیر کے دن یکم ربیع الاوّل ہو گی۔ غرض کسی طرح بھی حساب کیا جائے؛ جب نو ذوالحجہ جمعہ کا دن ہو تو بارہ ربیع الاوّل پیر کے دن کسی حساب سے نہیں ہو سکتی لہٰذا درایتاً اور عقلاً رسول اللہ ﷺ کی وفات کی تاریخ بارہ ربیع الاوّل نہیں ہے۔ پیر کے دن ربیع الاوّل کی تاریخ کے عقلی احتمال یہی ہیں اگر سب مہینے تیس دن کے ہوں تو چھ ربیع الاوّل اور اگر سب مہینے انتیس دن کے ہوں تو دو، ربیع الاوّل اگر دو ماہ تیس دن کے ہوں اور ایک انتیس کا تو سات ربیع الاوّل اور اگر دو ماہ انتیس دن کے ہوں اور ایک ماہ تیس دن کا ہو تو یکم ربیع الاوّل؛ چھ اور سات ربیع الاوّل کا کوئی قائل نہیں ہے؛ تو پھر آپ کی وفات کی تاریخ یکم ربیع الاوّل یا دو ربیع الاوّل حسب ذیل علماء نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کی تاریخ یکم ربیع الاوّل ہے یا دو ربیع الاوّل۔

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ، کو لکھتے ہیں۔

مسلمانوں کا اِس پر اجماع ہے۔ حجتہ الوداع میں یوم عرفہ یعنی ۹ ذوالحجہ جمعہ کا دن تھا۔ لہٰذا یکم ذوالحجہ جمعرات کو تھی۔ پھر یکم محرم جمعہ کو ہوگی (اگر چاند ۲۹ کا ہو) یا ہفتہ کو ہوگی (اگر چاند ۳۰ کا ہو)۔ اگر جمعہ کو یکم محرم ہو تو یکم صفر ہفتہ کو ہوگی یا اتوار کو۔ اگر یکم صفر ہفتہ کو ہو تو یکم ربیع الاول اتوار کو ہوگی یا پیر کو، لہٰذا آپ کے وصال مبارک کی تاریخ پیر کے دن یا یکم ربیع الاول ہوگی یا ۲ ربیع

الاول (اور اگر یکم صفر اتوار کی ہو تو یکم ربیع الاول پیر کی ہو گی یا منگل کی) اور کسی طرح بارہ ربیع الاول پیر کا دن نہیں ہو سکتا۔ بارہ ربیع الاول کی تاریخ وصال مبارک نہ ہونے کی تحقیق کا یہ نقطہ سب سے پہلے علامہ سہیلی نے اٹھایا۔

علامہ نور بخش توکلی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں۔

اِس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضورِ انور کا وصال مبارک ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن ہوا۔ جمہور کے نزدیک ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ تھی۔ ماہِ صفر کی ایک یا دو راتیں باقی تھی کہ مرض کا آغاز ہوا۔ بعضے تاریخ وصال یکم ربیع الاول بتاتے ہیں۔ بنا بر قول حضرت سلیمان ابتدا مرض یوم شنبہ ۲۲ صفر کو ہوئی اور وصال مبارک یوم دوشنبہ ۲ ربیع الاول کو ہوا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابو مخنف کا قول معتمد ہے؛ کہ وصال مبارک ۲ ربیع الاول کو ہوا۔ دوسروں کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ثانی کو ثانی عشر خیال کر لیا گیا۔ پھر اِس وہم میں بعضوں نے بعضوں کی پیروی کی۔ (سیرت رسول عربی، ص ۲۲۶، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۲۴ھ لکھتے ہیں۔

اور تاریخ کی حقیقت نہیں ہوئی اور بارہویں جو مشہور ہے وہ حساب درست نہیں ہوتا کیونکہ اس سال ذوالحجہ کی ۹ ویں جمعہ کی تھی ۔اور یومِ وفات دوشنبہ ثابت ہے۔ پس جمعہ ۹ ویں ذولحجہ کو ہو کر بارہ ربیع الاوّل ۲ شنبہ کو کسی حساب سے نہیں ہو سکتی (نشر طیب، ص ۲۴۱، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور)

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

کسی حالت اور کسی شکل میں بارہ ربیع الاوّل کو ۲ شنبہ کا دن نہیں ہو سکتا (حاشیہ میں لکھتے ہیں) وفات نبوی ﷺ کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاوّل ہے۔(سیرت النبی ﷺ، دارالاشاعت، کراچی)

یہاں روایت اور درایت سے ثابت کر دیا گیا کہ آپ ﷺ کے وصال مبارک کی

تاریخ کسی صورت ،۱۲ ربیع الاوّل نہیں بنتی ۔لہذا یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ آپ ﷺ کے وصال مبارک کے دن خوشی کیوں منائی جاتی ہے (ماخوذ تفسیر تبیان القرآن ،جلد ۷،ص ۵۷۶)

رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت کی تحقیق۔

تاریخ طبری میں ابن خلدون نے بھی حضور ﷺ تاریخ پیدائش ،۱۲ ربیع الاوّل لکھی۔

ابن ہشام نے بھی آپ ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاوّل لکھی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ مشہور اور قوی قول یہی ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت ،۱۲ ربیع الاوّل ہے اس پر اہلِ مکہ کا عمل ہے کہ وہ اسی خاص تاریخ یعنی ،۱۲ ربیع الاوّل کو حضور کی جائے پیدائش کی زیارت کرتے ہیں۔

امام قسطلانی مواہب اللدنیہ لکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت کے متعلق یہی قول صحیح ہے۔ کہ آپ ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاوّل کو ہوئی مکہ مکرمہ والوں کا اس ۱۲ تاریخ کو حضور کی جائے پیدائش پر جمع ہونا اس کی واضح دلیل ہے۔

ضیاء النبی میں پیر سید کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں کہ اہل علم کا یہی قول ہے کہ جانِ دوعالم ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل جس سال ابرہہ نے ہاتھیوں سے کعبہ شریف کو تباہ کرنے کی مذموم کوشش کی تھی] ۵۵ دن بعد ۱۲ ربیع الاوّل (۲۰ ،اپریل ،۵۷۱ء) بروز پیر صبح صادق کے وقت ہوئی۔

۱۲، ربیع الاوّل شریف باعثِ تخلیق کائنات فخرِ موجودات آقائے نامدار ﷺ کی ولادتِ باسعادت کا مبارک دن ہے۔اس دن کائنات کی ہر شے (بقول امام سیوطیؒ) خوشیوں کا اظہار کر کے محبتِ رسول ﷺ کا دم بھرتی ہے، ہر دل اور ہر روح عقیدت واحترام سے درود وسلام کے گجرے بارگاہِ رسالت مآب میں ہدیہ کرتی ہے۔امام سیوطیؒ کا قول ملاحظہ فرمائیں۔جس سہانی گھڑی حضور ﷺ کی ولادت ہوئی ۔مشرق کے وحشی جانور بشارتیں لے کر مغرب کی طرف دوڑ رہے تھے ۔سمندر میں رہنے والی تمام چیزوں کے درمیان مبارک باد کا تبادلہ ہو رہا تھا۔حمل

مبارک کے ہر ماہ میں زمین وآسماں میں یہ اعلان ہوتا تھا کہ خوشیاں مناؤ: وہ روح پرور لمحہ آنے کو ہے جب حضرت ابوالقاسم کائنات میں جلوہ فرما ہوں گے۔(الخصائص الکبریٰ)

؛؛آئندہ پورا سال امن وامان؛؛

۱۔ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔رسول اللہ ﷺ کے میلاد شریف کو سننے کے لیے جمع ہونا اعظم عبادات سے ہے ۔کیونکہ میلاد شریف میں رسول اللہ ﷺ پر بکثرت صلوٰۃ سلام پڑھا جاتا ہے اور بار بار ذکرِ خدا اور ذکرِ رسول ہوتا ہے اور ذکر ہی محبت وقرب کا ذریعہ ہے؛اور جلیل القدر علما نے تصریح کی ہے کہ جس سال میلاد شریف منایا جائے اُس سال امن رہتا ہے؛اور مقصود میں کامیابی کی جلد بشارت ملتی ہے۔

۲۔ علامہ حلبیؒ پورا سال امن وامان کا وظیفہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابن جوزیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں ۔کہ جو لوگ میلاد شریف کرتے ہیں؛اُن پر پورا سال امان ہوتی ہے اور انھیں مطلوب حاصل ہونے کی جلد خوشخبری مل جاتی ہے۔(انسان العیون،جلد۱،ص ۱۳۷)

۳۔ یہی محدث ابن جوزیؒ فرماتے ہیں، محفل میلاد شریف کے مجربات میں سے تجربہ شدہ بات یہ ہے کہ جس سال یہ محفل منعقد کی جائے ۔اُس سال خوب خیر وبرکت ،سلامتی وعافیت، کشادگیٔ رزق اور اولاد میں برکت ہوتی ہے۔آبادی اور شہروں میں امن وسلامتی رہتی ہے۔

وَاَنْقَرَارِ فِی الْبُیُوْ تِ وَالدَّارِ بِبَرَکَۃِ مَوْلِدِ النَّبِی

اور گھروں میں سکون وقرار نبی مختار ﷺ کی میلاد کی برکت سے رہتا ہے۔(المیلاد النبی،عربی واُردو،لاہور)

جب نہیں ملتی کہیں سے بھی سکوں کی دولت
تیری محفل تیرے دیوانے سجا لیتے ہیں

☆☆☆☆☆

حاضریٔ رسول ﷺ

ممتاز مفتی

وہ سلام

''یارسول اللہ ﷺ!'' میرے دل سے ایک منت ابھر رہی تھی جسے دبانے کی شدید کوشش ناکام ہوئی جارہی تھی۔ ''یارسول اللہ ﷺ!'' یہاں میں ستر ہزار نمازیں اپنے نام کرانے کے لیے حاضر نہیں ہوا۔ بہشت میں اپنی جگہ محفوظ کرانے کے لیے یہاں نماز پڑھنے کا متمنی نہیں ہوں۔ میں تو صرف اس لیے یہاں نماز پڑھنا چاہتا ہوں کے تیرے گھر کی دہلیز پر کھڑا ہو کر تجھے سلام کروں۔

وہ سلام نہیں جو دوسروں پر سلامتی بھیجتا ہے۔ وہ سلام نہیں جو کتابوں میں لکھا ہوتا ہے۔ بلکہ وہ سلام جو ایک ادنیٰ عاجز مسکین شخص ایک اعلیٰ اور رافع ہستی کو جھک کر ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کرتا ہے۔ میری آرزو ہے۔ اپنی عقیدت کا اظہار کروں۔ تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سجدہ کروں۔ تیری خوشنودی سے عظیم تر نعمت کیا ہوسکتی ہے؟ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تیرے قدموں میں کھڑا ہو کر نعرہ لگاؤں۔ کہ اے عظیم ترین انسان! میں تو ننگِ انسانیت ہوں، میں تجھے سلام کرتا ہوں۔ تو جو میرا سلام قبول کرلے تو میری خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہے اور تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ ایسے شخص کا سلام کیوں قبول کیا؟ جو انسانیت کے نام پر کلنک کا ٹیکہ ہے''

دفعتاً! میری نگاہ قدرت پر جاپڑی۔ جو سلام پھیر چکے تھے اور میری طرف بڑی شفقت سے دیکھ رہے تھے۔ مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے ان کی مسکراہٹ میں حضورِ اعلیٰ کا پیغام جھلک رہا ہو کہ ''' اے ممتاز! ہم نے تیرا سلام قبول کیا۔'' آؤ اب چلیں'' انھوں نے مجھ سے کہا۔ فرطِ انبساط سے قدرت کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ چل پڑے اور میں ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔

بابِ جبرئیل سے زائرین کا ایک تازہ ریلا آیا اور ہم چشم زدن میں حجرے سے باہر نکل گئے۔ میں نے دیکھا کہ ہم مسجدِ نبوی کے اُس حصہ میں جا نکلے ہیں جو ترکی کی تعمیر کا چھتا ہوا وسیع و

طویل دلان ہے۔ جس میں یہاں، وہاں قطار میں کئی ستون کھڑے ہیں۔ قدرت دالان میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ مڑ گئے۔ ہمارے سامنے مزارِ مقدس کا سبز جنگلا تھا۔ جنگلے کے سامنے قدرت رُک گئے اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا پڑھنے لگے۔ میں نے بھی اِن کے پیچھے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا لیے، جلد ہی میں نے محسوس کیا کہ حضورِ اعلیٰ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرنے کے لیے میرے پاس کوئی دعا نہیں۔

سچا منگتا

پہلی دفعہ میں نے ایک شخص کو مانگتے ہوئے سنا تو حیران رہ گیا۔ داتا کا مزار تھا۔ ایک جٹا دھاری فقیر آیا۔ یوں داخل ہوا جیسے مقروض کے گھر قرض خواآیا ہو۔ اس نے داتا کو للکارا ''تو جو داتا بنا بیٹھا ہے تو دے۔ دیکھ تیرے دوار میں مانگنے والا آیا ہے۔ دے۔ دس کروڑ روپے کا سوال ہے دس کروڑ روپے دس کروڑ روپے''

''دس کروڑ روپے'' چلاتا ہوا وہ دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔

''ارے میں بھونچکارا گیا''۔ یہ جٹا دھاری ہو کر روپیہ مانگ رہا تھا اپنی اس مانگ پر ندامت محسوس نہیں کر رہا تھا۔ ہماری طرح داتا کو خسیس مولوی نہیں سمجھ رہا تھا۔ یہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ داتا ناک پر رومال رکھ لیں گے۔ ہاتھ میں چمٹی اُٹھا لیں گے۔''

''ارے'' گویا میری آنکھیں کھل گئیں۔ زندگی میں، میں نے پہلی بار سچا مانگنے والا دیکھا تھا۔ پہلی دفعہ ایک ایسا شخص جو مانگنے کی عظمت سے واقف تھا۔ جو داتا کو داتا سمجھتا تھا۔

ہاں تو حضورِ اقدس ﷺ کی جالی کے پاس کھڑے ہو کر قدرت کو دعا پڑھتے ہوئے دیکھ کر میں نے بھی ہاتھ اُٹھا لیے لیکن چند ساعت کے لیے میں ہاتھ اُٹھائے کھڑا رہا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا دعا مانگوں۔ دُعا مانگنے میں کئی بار فاش غلطیاں کر جایا کرتا ہوں۔ لہٰذا ایسے وقت میں ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں جذبات طاری نہ ہو جائیں اور ترنگ میں ایسی بات نہ کہہ دوں کہ بعد میں شرمساری سے اپنے آپ سے منہ چھپاتا پھروں۔

کئی بار ایسا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیاں اس حد تک بڑھ جاتی ہیں کہ میں جذبات کی رَو میں بہہ کر اللہ کے حق میں دعائیں مانگنے لگتا ہوں ''یا اللہ تو اتنا اچھا ہے کہ اللہ تجھے خوش رکھے۔ اللہ تجھے عظمتیں بخشے'' ۔۔۔۔۔ پھر دفعتاً مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں یہ کیا بک رہا ہوں۔ کیا میں باری تعالیٰ پر ایک اور اللہ مسلط کر رہا ہوں۔ اس پر اتنا شرمسار کہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ پھر مجھے غصہ آنے لگتا ہے کہ میرے اللہ مجھ پر اتنی کرم فرمائیاں کرتے ہیں اور میں اُن کے حق میں دعا بھی نہیں مانگ سکتا۔ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں کھڑے ہو کر میرے ذہن میں صرف ایک بات آئی، سو میں نے عرض کر دی ''یا حضور؟ میں اتنی دور سے چل کر حاضر اس لیے ہوا ہوں کہ آپ کی خدمت میں سلام عرض کروں آپ کی کتنی کرم نوازی ہے کہ حضور ﷺ نے مجھ ایسے کا سلام قبول فرمایا۔ اللہ آپ کو مزید عظمتیں عطا فرمائے مزید رفعتوں سے نوازے۔ مزید قرب حاصل ہو۔'' دفعتاً مجھے خیال آیا کے میں یہ کیا کہہ رہا ہوں؟ گویا عرش بریں سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ آپ کو عرشِ بریں کے مرتبے سے نوازے۔ یا حضور میں نے شرمساری سے عرض کی ''میری باتوں کا برا نہ مانیے۔ میں بیوقوف ہوں، جاہل ہوں''۔ عین اس وقت مجھے درود تاج یاد آ گیا اور میں حضور ﷺ کی حمد و ثناء میں اپنی خفت مٹانے کی کوشش کرنے لگا۔

دھنکی

جنگلے کو پکڑے ایک صاحب دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ دوسرے صاحب کی آنکھوں سے خاموش آنسو رواں تھے۔ میرا جی چاہا کہ میں بھی روؤں؛ لیکن میری آنکھوں میں آنسو نہ تھے۔ گذشتہ گناہوں پر سچے دِل سے توبہ کی جائے تو رِقت پیدا ہوتی ہے۔ رقت گویا ایک دھنکی ہے جو روح کو دھنک کر رکھ دیتی اور قلب میں ایک نئی پاکیزگی پیدا کر دیتی ہے۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ مجھ پر بھی رقت طاری ہو' میری روح بھی دھنکی جائے' مجھ میں ایک نئی پاکیزگی پیدا ہو لیکن مجھ پر کبھی رقت طاری نہیں ہوئی۔ شاید اس لیے کہ میں نے سچے دِل سے گزشتہ گناہوں پر کبھی اظہارِ ندامت نہیں کیا۔ کبھی اظہارِ توبہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ مجھے اپنی معصیت کا احساس

نہیں یا مجھے اپنے گذشتہ گناہوں پر ندامت نہیں۔

یقین جانیے مجھے گناہ سے آلودہ ہونے کا شدت سے احساس ہے لیکن جب بھی مجھے توبہ کا خیال آتا ہے تو اندر سے ایک آواز آتی ہے کہ توبہ کرنے کا حق صرف اسے حاصل ہے جسے اپنے آپ پر اعتماد ہو۔ جو یقین سے کہہ سکے کہ آئندہ گناہ کا اعادہ نہ ہوگا۔ مجھے اپنے آپ پر اعتماد نہیں۔

سب سے بڑا انسان اور رسول اللہ ﷺ

دفعتاً میری نگاہ قدرت پر جا پڑی؛ جنگلے سے ذرا پیچھے ہٹ کر وہ ہاتھ اُٹھائے کھڑے تھے۔ ''یا اللہ۔ اتنی لمبی دعا؟'' میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر ان کی جانب دیکھا۔

''میرے اللہ! یہ قدرت کو کیا ہوا ہے؟'' میرے سامنے قدرت نہیں ایک نحیف و نزار بوڑھا کھڑا تھا۔ اس کا چہرا ڈھلک گیا تھا۔ آنکھوں کی چمک گُل ہو گئی تھی۔ پیشانی پر بے شمار سلوٹیں پڑھی ہوئی تھیں۔ منہ پر منوں عجز کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ گردن خاکساری کے دباؤ تلے ڈھلکی ہوئی تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے عجز و انکسار میں جان پڑ گئی ہو۔ ''یہ دعائیہ انداز تو نہیں'' میں نے سوچا۔ ''رقت بھی نہیں۔ احساسِ معصیت بھی نہیں، پھر یہ عجز کیا ہے؟'' جنگلے سے لپٹے ہوئے ظاہر نے ایک نعرہ مارا۔ میری توجہ اس کی جانب مرکوز ہو گئی۔

پھر جو دوبارہ میں نے قدرت کی طرف دیکھا تو وہ مزید بوڑھا ہو چکا تھا۔ ہر ساعت کے بعد ان کی عمر میں دس سال کا اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ دفعتاً میں نے محسوس کیا کہ وہ دُعا نہیں پڑھ رہے تھے، حمد و ثنا نہیں کر رہے تھے۔ ارے۔ شاید وہ حضوری میں کھڑے ہوں۔ میں نے پھر سے غور سے انھیں دیکھا۔ میرے دل پر ایک خوف طاری ہو گیا۔

جنابِ محمد ﷺ کی رفعت اور عظمت کو میں نے صرف سنا ہے۔ پڑھا، جانا نہیں۔ قدرت کے عجز و انکسار کو دیکھ کر میں نے محسوس کیا کہ ضرور اس شخص نے حضور ﷺ کی عظمت و رفعت کو جانا ہے۔ ان کا انگ انگ اس بات کی شہادت دے رہا تھا کہ وہ اُس لمحے میں

بھی ''جاننے'' کے عالم میں تھے۔ یہ محسوس کرتے ہی میرے جسم و روح میں خوف کی ایک پھریری سی چل گئی۔ ''یا اللہ'' تیرا رسول ﷺ اتنا عظیم ہے۔ اتنا عظیم'' اب تک میں دنیا کے عظیم ترین انسان کی خدمت میں حاضر تھا۔ لیکن اب جنابِ رسول ﷺ کی خدمت اقدس میں ایستادہ ہو گیا۔ قدرت نے دعا ختم کر لی۔ ''چلو چلیں'' انھوں نے مجھے اشارہ کیا۔ ''کیوں نہ ہم اس جگہ پر قبضہ جمالیں۔'' میں نے کہا۔ میری بات سن کر ان پر شدید گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ نہیں نہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔''

''کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہمیں دوسروں کو موقع دینا چاہیے۔'' یہ کہہ کر قدرت مسجد کے دوسرے حصے کی طرف چل پڑے۔ دُور جا کر ہم دونوں ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ میں نے ان کی جانب دیکھا۔ آہستہ آہستہ ان کی کیفیت نارمل ہوتی جا رہی تھی۔ مسجد میں پہنچ کر ان پر ایک عجیب سا سکون طاری ہوتا جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ندی پہاڑی علاقے میں سر پٹختی دوڑتی بھاگتی آتی ہے اور پھر میدان میں پہنچ کر اس کا پانی چاروں طرف پھیل کر ساکن ہو جاتا ہے۔ اس روز سارا دن قدرت پر ایک عجیب سا سکون طاری رہا۔ اذان ہوتی تو وہ مسجد کی طرف چل پڑتے۔ ''چلئے اذان ہو گئی۔'' وہ مجھ سے کہتے۔ ان کے انداز میں تڑپ یا بے قراری نہ تھی۔ انھیں یہ فکر بھی دامن گیر نہ تھی کہ نماز کے لیے مسجد کے اندر جگہ ملے۔

مسجد نبوی ﷺ نمازیوں سے بھر جاتی تو لوگ مسجد کے سامنے میدان میں صفیں بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہیں نماز ادا کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بھیڑ کے باوجود زبردستی مسجد میں گھس جاتے تاکہ مسجد کے اندر نماز پڑھیں۔

بے نیازی اور شورا شوری

سارا دن قدرت یا تو مسجد کے باہر نماز پڑھتے اور یا مسجد کے عوامی حصے میں۔ سارا دن وہ نہ تو مزارِ مقدس کی طرف جاتے نہ ترکی دالان کی طرف ''یا اللہ یہ کیا اسرار ہے؟' صبح اتنی شورا

شوری اور اتنی بے نیازی۔'' بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

مدینہ منورہ میں پہنچ کر میری کیفیت ایسی تھی جیسے کوئی خالی ورق ہو' خالی برتن' جیسے شہد ٹپک گیا ہو اور خالی کھگارا رہ گیا ہو۔

شام کو مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد جب ہم ہوٹل میں واپس پہنچے تو قدرت اپنے کمرے میں چلے گئے اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ دل پر ایک عجیب سی اکتاہٹ طاری تھی۔ کمرے میں پہنچا تو ایک صاحب بیٹھے انتظار کر رہے تھے'' آپ مفتی صاحب ہیں؟'' انھوں نے پوچھا۔

''جی فرمایئے''۔

''میں مدینہ منورہ کی پاکستانی ڈسپنسری کا ڈاکٹر ہوں'' وہ بولے۔

''جی'' میں نے کہا۔

''میں شہاب صاحب کو ایک پیغام دینے آیا ہوں۔''

''آپ ان سے خود مل لیں۔''

''نہیں نہیں'' وہ بولا۔''انھیں تکلیف نہ دیجئے۔ آپ میرا پیغام لے جایئے اور جواب میں جو وہ فرمائیں مجھے بتا دیجئے۔''

''بہت اچھا۔ فرمایئے۔''

''ان سے کہیے کہ آج شب کو نماز عشاء کے بعد مسجد نبوی ﷺ خصوصی طور پر شاہ مراکو کے لیے ایک ڈیڑھ گھنٹے کے لیے کُھلے گی۔ میں نے انتظام کر دیا ہے کہ اگر شہاب صاحب یا اُن کے ساتھی مسجد نبوی ﷺ میں جانا چاہیں تو بصد شوق چلیں۔ میں انھیں ساتھ لے چلوں گا۔''

سنہرا موقع

''کیا کہا۔ مسجد نبوی ﷺ خصوصی طور پر کھولی جائے گی۔''

ہاں، وہ کہنے لگا آپ جہاں چاہیں نوافل ادا کر سکتے ہیں۔ جہاں چاہیں بیٹھ کر تلاوت

کر سکتے ہیں۔ خوشی اور حیرت سے میری کنپٹیاں تھر کنے لگیں۔ ''تو کیا میں حجرہ مبارک میں نفل ادا کر سکوں گا؟'' اس عظیم خوشخبری پر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں بھاگا بھاگا قدرت کی طرف گیا۔ میں نے بڑے شوق سے انھیں یہ خوشخبری سنائی۔ جواب میں قدرت نے صرف اتنا کہا۔ ''اچھا تو ڈسپنسری والے ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔ وہ میرے پرانے واقف ہیں۔ چلیے میں انھیں مل لوں۔'' قدرت ڈاکٹر سے بڑے تپاک سے ملے۔ دیر تک اُن کا مزاج پوچھتے رہے۔ آخر میں بڑی معذرت کے ساتھ کہنے لگے۔ ''ڈاکٹر صاحب میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ افسوس کہ میں اِس سنہری موقع کا فائدہ نہیں اُٹھا سکا۔'' ساتھ ہی انھوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''مفتی صاحب آپ بے شک ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ مسجدِ نبوی ﷺ میں حاضری دے آئیں۔'' میرا ذوق وشوق ٹھنڈا پڑ گیا۔ قدرت کے جواب نے گویا مجھ پر برف کی سِل رکھ دی۔ ''شکریہ ڈاکٹر صاحب۔'' میں نے کہا۔ ''میرے وہاں اکیلے جانے سے کیا ہوتا ہے؟'' ڈاکٹر کے جانے کے بعد میرے دل میں غصے کا ایک طوفان چلنے لگا۔ جھوٹ کی بھی حد ہوتی ہے۔ یہ ناسازگی طبیعت کا ڈھونگ کس لیے رچایا جا رہا ہے۔ یہ انجائینا کے دورے یہ Resistance کا ناٹک۔ منافقت۔ منافقت۔ منافقت!

ساری رات مجھے غصے میں نیند نہ آئی۔ کروٹیں بدلتا رہا اور قدرت کو بُرا نہ کہنے کی شدید جدوجہد میں مصروف رہا۔

پھر پتہ نہیں میری آنکھ لگ گئی تھی یا ابھی نیم خوابی میں تھا کہ کسی نے میرا شانہ ہلایا۔ میں چونک کر اُٹھ بیٹھا۔

''کون ہے؟'' میں چلایا۔

''میں ہوں۔'' قدرت نے جواب دیا۔

''آپ؟''

''ہاں چلئے باب جبرائیلؑ کھلنے کا وقت ہو گیا ہے۔''

اس وقت میرا جی چاہا کہ اُٹھ کر دونوں شانوں سے انھیں اوپر اُٹھاؤں اور ہوٹل کی

کھڑکی سے باہر پھینک کر ہاتھ جھاڑوں اور پھر آرام سے لیٹ کر سو رہوں۔اس اثنا میں قدرت نے بتی جلا دی، کمرہ منور ہو گیا۔میں نے ان کی جانب دیکھا۔ان کے چہرے پر اتنی معصومیت چھائی ہوئی تھی اور ان کا انداز اس قدر Appologetic میں سب کچھ بھول گیا۔میں نے جلدی سے جوتا پہنا' ٹوپی رکھی اور ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

پھر حجرہ مبارک میں اپنے مخصوص کونے میں بیٹھا قدرت کے پٹنے کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔اس روز زائرین کے شوق کی کیفیت کچھ اور زیادہ ہی جارحانہ تھی۔پہلی رکعت میں چھ مرتبہ قلابازیاں کھائیں۔دوبارہ دوبار دیوار سے ٹکرائے اور پھر سے ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے۔پہلے روز میں حیرت، ہمدردی اور تحسین سے قدرت کی طرف دیکھتا رہا تھا۔آج انھیں پٹتے اور انھیں دھکے کھاتے دیکھ کر مجھے ایک انجانی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

''اچھا ہوا۔۔۔۔اب تو جناب کی ناسازیٔ طبع درست ہو گئی ہو گی۔۔۔۔بہت اچھے۔جیسے کو تیسا۔''

میں محسوس کر رہا تھا کہ جیسے رات مسجدِ نبوی ﷺ میں خصوصی حاضری سے انکار پر حجرہ مبارک ان سے انتقام لے رہا ہو۔

اس روز نوافل سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ میرے پاس آئے تو ان کی حالت قابلِ ترس تھی۔منہ سوجا ہوا تھا۔چہرہ ڈھلکا ہوا۔

''آیئے مفتی صاحب چلیں۔'' وہ بولے۔۔پھر وہ سبز جنگلے کے پاس کھڑے دُعا مانگ رہے تھے۔اس روز حضوری اور تابناک تھی' حاضر کی آنکھیں چندھائی ہوئی تھیں۔وہ مجسم ادب اور عجز بنا کھڑا تھا۔

اس روز میں یہ بھول گیا کہ میں بھی سبز جنگلے کے پاس کھڑا ہوں۔میں یہ بھول گیا کہ حضورِ اعلیٰ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرنے کو میرے پاس کوئی دُعا تھی یا نہیں۔قدرت وہاں کھڑے دعا پڑھتے رہے۔اور میں ان کو دیکھتا رہا۔دیکھتا رہا۔

شی

وہاں کھڑے کھڑے وہ ساٹھ سال کے ہوگئے۔اسی سال کے ہوگئے۔سو سال کے ہوگئے۔مجھے ایسا لگا کے راپڈر ہیگر ڈشی' کا طلسم ٹوٹ چکا ہو اور میں وہ تیز رفتاری سے بوڑھی ہوئی جارہی ہو۔ساتھ ہی مجھے ایسا لگا جیسے قدرت کا مجھ پر جو طلسم تھا وہ ٹوٹ چکا ہے۔''آیئے چلیں''انھوں نے میرا بازو پکڑ کر مجھے جھنجھوڑا۔میں چونک پڑا۔دو ایک ساعت کے لیے'سمجھ میں نہ آیا کہ میں کہاں ہوں اور قدرت مجھے کیوں کھینچ رہے ہیں۔پھر جب ہم مسجدِ نبوی ﷺ کے عمومی حصے کے ایک کونے میں جا بیٹھے تو مجھے ہوش آیا اور میں نے ایک بار پھر شدید غصے کا ریلا محسوس کیا۔

''کتنی ہڈیاں ٹوٹی آپ کی''میری بات میں بلا کی طنز تھی۔

''ہڈیاں''وہ بولے''نہیں تو۔''

''کتنے زخم آئے''میں نے پوچھا۔

''زخم تو نہیں آیا کوئی۔''انھوں نے جواب دیا''۔

''گرے تو آپ کئی بار تھے۔''

اچھا۔میں گرا تھا کیا؟''

''آپ کو یاد نہیں کیا؟''

''مجھے خیال نہیں آتا کہ میں گرا تھا۔''

''آپ کی نیت نہیں ٹوٹتی اِن حالات میں؟''

''کن حالات میں؟''انھوں نے پوچھا۔

''حجرہ مبارک میں جو حالات ہوتے ہیں اِن حالات میں۔''

''حجرہ مبارک میں تو زائر عبادت کرتے ہیں۔''

''تو کیا اکھاڑے میں بھی لوگ عبادت کرتے ہیں؟''

وہ مسکرا دیے۔ان کی مسکراہٹ میں بڑی بے بسی تھی۔

''کل رات کو جب مسجدِ نبوی ﷺ شاہِ مراکو کے لیے خصوصی طور پر کھلی تھی۔اُس وقت آپ نے مسجدِ نبوی ﷺ میں آنے سے کیوں انکار کر دیا تھا؟''

ان کے چہرے کی سلوٹیں سرک سرک کر یوں ڈھیلی پڑ گئیں جیسے معذرت اور ندامت سے بھیگ گئی ہوں۔

''دیکھیے نا'' وہ بولے'' کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

''کیا اچھا نہیں لگتا؟''

''اِس طرح مسجدِ نبوی ﷺ میں آنا کچھ اچھا نہیں لگتا''

''کس طرح؟''

''کسی خصوصی حیثیت سے۔جب' جب مسجدِ نبوی ﷺ خصوصی طور پر کھولی جائے۔ صاحبِ حیثیت لوگوں کے لیے کھولی جائے۔میں۔میں۔میں۔'' وہ اٹک اٹک کر رک گئے۔پھر سنبھل کر بولے۔''حضور ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں حاضری دینے کے کچھ آداب ہونے چاہئیں''

''اللہ اکبر۔۔۔اللہ اکبر۔''مسجدِ نبوی ﷺ کے مؤذن کی اذان گونجی۔

[لبیک]

☆☆☆☆☆

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ! مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چُھپا دیکھ! ایامِ جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ!
بے تاب نہ ہو، معرکۂ بیم و رجا دیکھ!

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں یہ گنبدِ افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!

سمجھے گا زمانہ تیری آنکھوں کے اشارے دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے
ناپید تیرے بحرِ تخیل کے کنارے پہنچیں گے فلک تک تیری آہوں کے شرارے
تعمیرِ خودی کر، اثرِ آہِ رسا دیکھ!

خورشیدِ جہاں تاب کی ضو، تیرے شرر میں آباد ہے اِک تازہ جہاں، تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں جنت تیری پنہاں ہے تیرے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ!

نالندہ تیرے عود کا ہر تار ازل سے تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے
تو پیرِ صنم خانۂ اسرار ازل سے محنت کش و خونریز و کم آزار ازل سے
ہے راکبِ تقدیرِ جہاں، تیری رضا دیکھ!

☆☆☆☆☆

توحیدِ خالص

قسط۔۔۔۳

حضرت خواجہ غلام زین الدینؒ

بیان پیدائش اولادِ آدم

اور اسی طرح اولادِ آدم علیہ السلام کی پیدائش میں بھی مختلف اطوار رہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔**ثم جعلنا ہ نطفۃ فی قرار مکین، ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظا ما فکسونا العظام لحما ثم انشاناہ خلقا اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین۔**

ترجمہ:۔ پھر ہم نے (انسان کو) نطفہ سے بنایا (جو مادہ قریبہ) ہے جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنا دیا؛ پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزا) کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا؛ پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا دیا۔بس بہت برکت والا ہے اللہ تعالیٰ۔ بہتر پیدا کرنے والوں کا مختلف مراتب و درجات گوشت، ہڈی، خون، جلد، شعر، کان، آنکھ، لمس، مشی، ذوق، شم، قدرت خداوندی کے اظہار میں کمال ہے،**وفی انفسم افلا تبصرون۔**

چلہ کی اصل:۔ یہ تبدیلی پیدائش ہر چالیس دن کے بعد ہوتی ہے اس لیے جو عبادت خلوت میں چالیس دن کی جائے۔اس میں وہ اثرات ہوتے ہیں جو اور کسی تنہائی میں نہیں ہوتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دن کوہِ طور پر "**اربعین لیلۃ**" بلاکر تورات عطا فرمائی اور قربتِ خاصہ سے نوازا؛ ایک شبہ کا جواب "**احسن الخالقین**" اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو فرمایا: کیا اور خالقین بھی ہیں، حالانکہ اور خالقین ماننا کفر و شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ "**خالق کل شئی**" ہے

جواب مفسرین نے یہ دیا ہے(۱)فی زعمکم جوتمھارے گمان میں معبودان باطلہ ہیں(۲)جن کواللہ تعالیٰ نے معجزہ عطافرمایا انی اخلق لکم خالق مجازاًفرمایاچوتھی علتِ غائی ہرکاری گرکوکسی چیز کے بنانے سے غرض ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ جوکہ خالقِ انسان ہے،گووہ اغراض سے پاک ہے لیکن اس کے ہرایک فعل میں ایک حکمت ہوتی ہےتواس نے حکمت بیان فرمائی۔وما خلقت الجن والا نس الا لیعبدون. یعنی میں نے جن اورانسان کوعبادت کے لیے پیدا کیا۔

عبادت کالغوی معنی۔ العبادة مصداری الطاعة ونهاية التعظيم لله تعالىٰ وفى التعريفات العبادة هى فعل المكلف على خلاف هوى نفسهٖ تعظيما لله تعالىٰ وتطلق العبادات عند الفقهاء على الا حكام الشرعية المتعلقة با مر الآ خرة ويقا بلها المعا ملات۔

ترجمہ:۔عبادت مصدر ہے۔یعنی تابعداری کرنی اورنہایت تعظیم اللہ تعالیٰ کے لیےاور تعریفات میں ہے۔عبادت ایک مکلّف کافعل ہے جوکہ خواہشات نفسانی کے خلاف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لیے کیا جاتا ہے؛ اور احکام شرعیہ پر فقہا کے نزدیک عبادات کا اطلاق کیا جاتا ہے۔عبادات کا فقہا کے نزدیک احکام شرعیہ پر جوکہ امرِ آخرت سے متعلق ہیں اورمقابل ان عبادت کےمعاملات ہیں۔

عبادت المنجد اردوصفحہ۴۰،عبادات کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کوایک جاننا،عبادت کے طریقے بتلانے کے لیےاللہ تعالیٰ نے ابنیاءعلیہم السلام کوبھیجا،جیسےارشادِباری تعالیٰ ہےولكن كونوا ربانيين. ترجمہ:۔لیکن ہوجاؤتم رب والے۔

ملت،شریعت،دین سب ایک چیز ہے۔دین ایک ہےاورشریعتیں مختلف الحاصل۔ تینوں کامرض ایک ہے،علاج ودوابھی ایک ہے،صرف اختلافِ مزاج اوراختلاف طبائع کی بناپر مقدارادویہ میں فرق کردیا گیا ہے۔اسی طرح انبیاءکرام کادین ایک ہے،سب ایک ہی اصل پر متفق ہیں۔اختلافِ زمان ومکان اوراختلاف حالات کی وجہ سےاسی ایک دین اورایک اصل کی

صورتیں اور شکلیں اور طریقے مختلف ہوتے رہے۔ اس لیے کہ دین کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کو وحدہ لاشریک ماننا؛ ذات اور صفات کے لحاظ سے بے مثل اور بے مثال سمجھنا، راحت و تکلیف سوأ وضراً عیش ونشاط انقباض اور انبساط میں اسی کی طرف والی ربک فارغب، رجوع کرنا عجیب تحقیق ومن یرغب عن ملته ابراهیم، صاوی شریف۔ صفحہ ۶۱۔ ای دینه وشریعته فالملته والدین والشریعته بمعنی واحد وهو الا حکام التی جعلها الله للتعبد بها فمن حیث املاء ها یقال لهاملة ومن حیث شر عها یقال یقال لها شریعته ومن حیث التدین بها یقال لها دین.

ترجمہ:۔ جو کہ کچھ مانگنا ہو، اس میں اپنے رب کی طرف توجہ رکھیئے اور ملتِ ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا؛ جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو۔ جس کی تفسیر صاوی شریف صفحہ ۶۱ میں ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے (یعنی دین اور شریعت سے)۔ پس ملت اور دین اور شریعت کا ایک معنی ہے یعنی وہ احکام جن کو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے ان کے ساتھ عبادت کرنے کے لیے ان کی لکھنے کی حیثیت سے انھیں ملت کہا جاتا ہے اور ان کے جاری کرنے کی حیثیت سے انھیں شریعت کہا جاتا ہے؛ اور ان کے ساتھ دین حاصل کرنے کی حیثیت سے دین کہا جاتا ہے۔

الشرع قاموس۔ صفحہ ۱۰۷۳۔ الشرع مصدر وعند الفقهاء ما شرع الله تعالی لعباده وفی التعریفات الشرع فی اللغة عبارة عن البیان والاظهار یقال شرع الله کذا ای جعله طریقا ومذهبا ومنه المشروعة انتهی.

ترجمہ:۔ شرع مصدر ہے اور فقہا کے نزدیک وہ احکام ہیں جو اللہ نے جاری کیے ہیں۔ اپنے بندوں کے لیے تعریفات میں یوں ہے کہ الشرع لغت میں عبارت بیان اور اظہار سے ہے۔ کہا جاتا ہے۔ شرع اللہ کذا یعنی اللہ تعالیٰ نے اُسے راستہ اور مذہب اور اسی سے محفوظ ہے المشروعہ الدین قاموس صفحہ ۷۰۳۔ والدین الجزاء والمکافاة یقال کماتدین تدان والدین ایضا الا سلام إنَّ الدین عند الله الا سلامُ واسم لجمیع ما یعبد الله به

والملة والورع والدين عند العلماء وضع الهى سائق ذوى العقول باختيارهم
اياه الى الصلاح فى الحال والفلاح فى المال وهذا ايشمل العقائد والاعمال
وقال السيد الشريف الدين والملة يتحد ان فى الذات ويختلفان فى الاعتبار
فان الشريعة من حيث انها تطاع تسمى دينا ومن حيث انها تجمع تسمى ملة
ومن حيث انه يرجع اليها تسمى مذهبا وقيل الفرق بين الدين والملة والمذهب
ان الدين منسوب الى الله والملة منسوبة الى الرسول والمذهب الى المجتهد
انتهى الديانة اسم لجميع مايعبد الله به والملة والمذهب وعند الفقهاء التنز ہ.

ترجمہ:۔دین ایک بدلہ ہےاور مکافات ہے۔کہا جاتا ہے کما تدین تدان،دین اسلام
کوبھی کیا جاتا ہے جیسا ارشاد باری ہے، دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، یہ دین نام ہے تمام
اُن احکام کا جن سے اللہ کی عبادت کی جاتی ہے،ملت اور ورع اور دین علماء کے نزدیک ایک
قانونِ الٰہی ہے جو کہ عقل والوں کواُن کے اختیار کے ساتھ لے جاتا ہے۔فوری صلاح کی طرف
حال میں فلاح کی طرف مال میں اور یہ قوانین شامل ہیں عقائد اور اعمال دونوں کو؛ کہا سید شریف
نے دینِ ملت فی الذات متحد ہیں اور فی الاعتبار مختلف ہیں؛ پس شریعت کی اس حیثیت سے کہ اس
کی اطاعت کی جاتی ہے، اُسے دین کہتے ہیں اور اس حیثیت سے کہ ان احکام کو جمع کیا جاتا ہے
ملت کہا جاتا ہے(یعنی لکھا اور اس حیثیت سے کہ اس شریعت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔اسے
مذہب کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دین اور ملت اور مذہب کے درمیان یہ فرق ہے کہ دین کی
نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے اور ملت کی نسبت رسول کی طرف ہوتی ہے اور مذہب کی نسبت مجتہد
کی طرف ہوتی ہے(انتہیٰ) دیانت نام ہے اُن سب احکام کا جن سے عبادت کی جاتی ہے۔اللہ کی
یعنی تین چیزوں کا یہ نام ہے اور فقہا کے نزدیک بچنا(التنزہ) گناہ سے؛

ان الدين عند الله الاسلام. روح المعانی صفحہ۱۰۶؛ای لا دین مرضی عند
الله تالیٰ سوى الا سلام وهو على ما اخرج ابن جرير عن قتادة شهادة ان لا اله

الا الـلـه والا قـرار بـمـا جـاء مـن عند الله تعالیٰ وهو دين الله تعالیٰ الذی شرع لـنـفسـه وبعث به رسوله ودل عليه اولياء ه لا يقبل غيرة ولا يجزی الا به وروی عـن علی بن ابراهيم عن امير المومنين كرم الله تعالیٰ وجهه انه قال فی خطبة له لا نسبـن الاسـلام نسبة لـم يـنسبها احد قبلی الا سلام هو التسليم والتسليم هو اليـقيـن واليـقين هو التصديق والتصديق هو الاقرار والا قرار هو الاداء والا داء هو العمل؛

ترجمہ:۔دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔روح المعانی صفحہ۱۰۶؛یعنی اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہی ہے۔ابنِ جریر سے روایت ہے قتادہ سے گواہی دینی اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا ہے اس کا اقرار کرنا، یہ وہی دین ہے اللہ کا جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔اپنے لیے اور دین کے ساتھ رسولوں کو بھیجا ہے اور اسی کی رہبری کی ہے۔ اپنے اولیاء اللہ کو اس کے بغیر کوئی اور دین مقبول نہیں اور اسی دین پر عمل کرنے سے بدلا دیا جائے گا۔حضرت ابنِ ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا:انھوں نے خطبے میں وہ نسبت اسلام کو کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں کی وہ یہ ہے۔اسلام تسلیم کو کہا جاتا ہے اور تسلیم یقین ہے اور یقین تصدیق ہے اور تصدیق اقرار اور اقرار ادا ہے اور ادا عمل ہے۔

بحث ملت حتی تتبع ملتهم. روح المعانی صفحہ۳۷۱؛والـمـلة فی الاصل اسم مـن امـلـت الـكتاب بمعنی امليته كماقال الراغب ومنه طريق ملول ای ملوک مـعـلـوم كما نقله الازهری ثم نقلت الی اصول الشرائع باعتبار انها يمليها النبی صـلـی الـلـه عـلـيـه وسلم ولا يختلف الانبياء عليهم السلام فيها وقد تطلق علی البـاطل كالكفر ملة واحدة ولا تضاف اليه سبحانه فلايقال ملة الله ولا الی احاد الامة والـدين يرادفها صِدقا لكنه باعتبار قبول المامورين لا نه فی الاصل الطاعة والا نـقيـاد ولا تحاد ماصدقهما قال تعالی دينا قيما ملة ابراهيم حنيفاً وقد يطلق

الدين على الفروع تجوزا ويضاف الى الله تعالىٰ والى الاحاد والى طوائف تخصوصة نظرا الى الاصل على ان تغاير العتبار كاف فى صحة الاضافة ويقع على الباطل ايضا واما الشريعة فهى المورد فى الاصل وجعلت اسما اللا حكام الجزئية المتحلقة بالمعا ش والمعاد سواء كانت منصوصة من الشارع اولا لكنها راجعة اليه والسنخ والتبديل يقع فيها وتطلق على الاصول الكلية تجوزا قاله بعض المحققين ووحدت الملة وان كان لهم مِلَّتَانِ للا يجاز او لا نهما يحمعهما الكفر وهو ملة واحدة ۔

ترجمہ:۔ بحث ملت روح المعانی صفحہ۳۷۱؛ ملت اصل میں نام ہے۔املات الکتاب سے بمعنی املیت ؛یعنی میں نے اس کتاب کولکھا جیسا کہ راغب نے کہا ہے۔اسی سے طریق،ملول مسلوک،معلوم یعنی چلا ہوا معلوم راستہ،جیسا کہ ازھری سے نقل کیا ہے پھر نقل کیا گیا ہے لفظ ملت کو اصولِ شرائع کی طرف اس اعتبار سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انھیں لکھواتے ہیں اور انبیاء علیہ السلام اس ملت سے مختلف نہیں ہیں اور کبھی ملت کا اطلاق باطل پر بھی کیا جاتا ہے جیسا کہا جاتا ہے الکفر ملة واحدة ملت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی جاتی ملۃ اللہ نہیں کہا جاتا۔

اور دین مرادف ہے ملت کا صِدق میں لیکن باعتبار قبول کرنے مامورین کے کیونکہ دین اصل میں طاعت اور تابعداری کو کہا جاتا ہے۔اور طاعت وانقیاد دونوں کا اطلاق ایک ہے۔اس لیے اللہ نے فرمایا۔ دينا قيما ملت ابراهيم حنيفا اور کبھی اطلاق کیا جاتا ہے۔دین کا فروع پر مجازاً اور نسبت کیا جاتا ہے۔اللہ کی طرف اور افراد امت اور مخصوص طائفوں کی طرف اصل کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس بنا پر کہ تغایر اعتبار کافی ہے؛صحتِ اضافت میں اور کبھی کبھی دین کا اطلاق باطل پر بھی ہوتا ہے۔جیسا کہ کہا گیا ہے لكم دينكم ولى دين۔

ترجمہ:۔تمھارے لیے تمھارا باطل دین اور میرے لیے دینِ حق؛اور شریعت اصل میں جائے ورود کو کہا جاتا ہے اور نام کیا گیا احکام جزئیہ کا جو متعلق ہیں؛ معاش اور معاد سے چاہے وہ

احکام شارع علیہ سلام سے ہوں یا نہ لیکن رجوع کرنے والے شارع کی طرف ہوں اور نسخ اور تبدیل احکام شریعت ہوتی رہتی ہے اصول کلیہ پر بھی ان کا اطلاق مجازاً ہوا کرتا ہے۔ کہا ہے اس کو بعض محققین نے اور لفظ ملت کو مفرد لایا گیا اگر چہ ان کے لیے دو ملتیں ہیں۔ اختصار کے لیے اور یا اس لیے کہ ان دو ملتوں کا جامع کفر ہے؛ اور وہ ایک ملت ہے۔

لکل جعلنا منکم شرعة ومنها جا؛ شرعۃ ومنھاج کی تحقیق روح المعانی صفحہ ۱۵۳ جلد نمبر ۶؛ شرعة بِکَسْرِ شین وَقَرَأیَحْیٰ بن وثاب بفتحها الشريعة وهی فی الاصل الطريق الظاهر الذی يوصل منه الی الماء والمراد بها الدين و استعمالها فيه لكونه سبيلاً موصلا الی موهو سبب للحياة الا يدية كما ان الماء سبب للحياة الفانية او لانه طريق الی العمل الذی يطهر العامل عن الاوساخ المعنوية كما ان الشر يعة طريق الی الماء الذی يطهر مستعمله عن الا وساخ الحسية وقال الراغبه سمی الدين شريعة تشبيها بشريعة الماء من حيث ان من شرع فی ذالک علی الحقيقة روی وتطهر واعنی بالری ماقال بعض الكماء كنت اشرب فلا اروی فلما عرفت الله تعالیٰ رويت بلا شراب وبا لتطهر ما قال الله تعالیٰ ولكن يريد ليطهر كم۔

ترجمہ:۔ ہر قوم کے لیے تم میں سے ہم نے ایک شریعت اور منھا ج (راستہ) بنایا۔ روح المعانی صفحہ ۱۵۳ جلد نمبر ۶؛ شرعت بکسر شین کے ساتھ ہے۔ یحیٰ بن وثاب نے فتح شین سے پڑھا ہے اور یہ اصل میں اس راستے کو کہا جاتا ہے جو کہ پانی تک پہنچا دے اور مراد اِس سے دین ہے اور استعمال اس کا دین میں ہوتا ہے کیونکہ یہ دین انسان کو اُس راستے پر پہنچاتا ہے جس کی وجہ سے اسے حیاتِ ابدی حاصل ہوتی ہے؛ جیسا کہ پانی سبب ہے حیاتِ فانیہ کا (یعنی انسان کو اس سے زندگی حاصل ہوتی ہے) یا اس لیے یہ راستہ ہے؛ اُس کام کا جس کے کرنے کی وجہ سے اس کا عامل معنوی، معتوں سے پاک ہوجاتا ہے (یعنی گناہوں سے) جیسا کہ شریعت

راستہ ہے پانی کی طرف جس پانی کے استعمال سے جسم کی میل دور ہو جاتی ہے اور جسم پاک ہو جاتا ہے۔ راغب نے کہا کہ دین کو شریعت کہا جاتا ہے۔ مشابہتاً پانی کے ساتھ اس حیثیت سے جو شخص پانی کے استعمال میں حقیقتاً شروع ہو جائے تو وہ پانی پینے سے سیر ہو جاتا ہے اور میں سیر ہونے سے مراد رکھتا ہوں جو کہ بعض حکماء نے کہا ہے کہ وہ مقولہ یہ ہے کہ میں پانی پیتا ہوں اور سیر نہیں ہوتا۔ پس جبکہ پہچان لیا میں نے بن پینے کے میں سیر ہو گیا اور پانی کے متعلق اللہ نے کہا۔ ولکن یرید لیطھر کم؛ ترجمہ:۔ اللہ ارادہ کرتا ہے کہ تمھیں پاک کرے۔

والمنهاج روح المعانی صفحه ۱۵۳ جلد ۶؛ والمنهاج الطريق الواضح فی الدين من نهج الاَمرِ اِذَاوضح والعطف باعتبار جمع الا وصاف وقال المبرد الشرعة ابتداء الطريق والمنهاج الطريق المستقيم وقيل هما بمعنم واحدٍ وهو الطريق والتكرير للتاكيد۔

ترجمہ:۔ منھاج روح المعانی صفحہ ۱۵۳ جلد نمبر ۶؛ منھاج، دین کے واضح راستہ کو کہا جاتا ہے؛ یہ مقولہ ہے نھج امر سے جبکہ وہ امر واضح ہو جاوے اور عطف باعتبارِ جمع اوصاف کے ہے اور مبردؒ نے کہا کہ شرعت ابتدائے راستہ کو کہتے ہیں اور منھاج سیدھے راستہ کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی اور تکرار تاکید کے لیے ہے۔

☆☆☆☆☆

مسائلِ وضو

حضرت علامہ صاحبزادہ بشیر احمد☆

وضو کرنے کے بعد دو رکعت نماز تحیۃ الوضو پڑھنے کی فضیلت

عن حمران انہ' رای عثما ن بن عفا نؓ

دعا بو ضو فا فر غ علٰی یدیہ من انا ئہ فغسلھا ثلا ث مرات ثم ادخل یمینہ فی الو ضو ثم تمضمض واستنشق واستنثر ثم غسل وجھہ'ثلا ثا ویدیہ الی المر فقین ثلا ثا ثم مسح برا سہ ثم غسل رجلیہ ثلا ثا ثم قا ل را یت رسول اللہ ﷺ یتو ضا . نحو د ضو ئی ھذا ثم قال من تو ضا ء نحو وضو ئی ھذا ثم صلّٰی ر کعتین . لا یحد ث فیھما نفسہ'غفر لہ' ما تقدم من ذنبہ .

(بخاری۔مسلم)

ترجمہ: حضرت عثمانؓ کے غلام حمران نے خبر دی۔کہ انھوں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ نے پانی کا برتن منگایا۔پہلے اپنے دونوں ہاتھ تین بار دھوئے۔پھر اپنا داہنا ہاتھ برتن میں ڈالا۔پھر کُلّی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔پھر اپنا منہ تین بار دھویا۔اور اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت تین بار دھوئے۔پھر سر کا مسح کیا۔پھر کہا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔جو کوئی میرے اس وضو کی طرح وضو کرے۔پھر دو رکعتیں (تحیۃ الوضوء) پڑھے۔اور اس عرصہ میں دنیا کا خیال اپنے دل میں نہ لائے۔تو اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔اِس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھنا مسنون ہے۔اِس نماز کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔جب بھی وضو کرے تو دو رکعت نماز تحیۃ الوضو پڑھ لے۔صرف اوقاتِ مکروہ میں یہ نماز نہ پڑھے۔ لا یحدث فیھما نفسہ کا مطلب یہ ہے کہ دو رکعتیں نہایت ہی خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھی

☆ ناظمِ اعلیٰ۔مدرسہ عالیہ زینت الاسلام۔ٹبہ شریف۔ترگ۔تحصیل عیسیٰ خیل [میانوالی]

جائیں اور دل دنیاوی خیالات سے صاف ہو۔ البتہ جو سہو سے بے اختیار آجائیں وہ معاف ہیں۔ غفر لہ' ما تقدم من ذنبہ اس کے اگلے تمام گناہ معاف کردیے جائیں گے۔ اگرچہ الفاظ حدیث سے تمام گناہوں کی مغفرت ثابت ہوتی ہے۔ خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ لیکن علما نے دیگر دلائل شرعیہ کے پیش نظر تخصیص کی ہے۔ کہ صغیرہ معاف ہوجائیں گے۔ کبیرہ نہیں معاف ہوں گے۔

اِس سلسلہ کی دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا؛ کہ اس بشارت پر مغرور نہ ہو جانا۔ یعنی یہ خیال کر کے کہ گناہ تو اس نماز سے معاف ہو ہی جائیں گے۔ گناہ کرنے پر جرات نہ کرنا۔ کیونکہ گناہ اس نماز سے معاف ہوتے ہیں جو بارگاہ خداوندی میں شرفِ قبول پا جائے۔ اب معلوم نہیں جو نماز پڑھی جائے وہ اللہ کی بارگاہ میں قبول ہے یا نہیں۔ یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ کسی عمل پر بشارت کو سن کر گناہ پر دلیر ہو جانا خود ایک مستقل گناہ ہے۔

عن ابی الدردا قال رسول اللہ ﷺ من توضا فاحسن الوضو ثم قام فصلیٰ رکعتین یحسن الرکوع والخشوع ثم استغفر اللہ غفر لہ'. (مسند امام احمد)

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا جس نے اچھی طرح وضو کیا؛ پھر دو رکعت نماز تحیۃ الوضو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کی۔ پھر استغفار پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادے گا۔

اِس حدیث مبارکہ میں دو رکعت نماز تحیۃ الوضو ادا کرنے کے بعد استغفار پڑھنے کا حکم ہے؛ جب کہ دوسری احادیث میں استغفار کا ذکر نہیں ہے۔ ثابت ہوا نماز کے بعد استغفار کا ورد کرنا مسنون اور نفع مند ہے۔ تحیۃ الوضوء کے بعد استغفار پڑھنا ایک خاص وظیفہ ہے اور استغفار پڑھنے کا ایک مقبول وقت ہے۔

اس حدیث میں آپ نے دو الفاظ استعمال فرمائے۔ خشوع وخضوع

۱۔ خشوع اس کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔

۲۔ خضوع اس کا تعلق اعضا کے ساتھ ہے۔

یعنی نماز پڑھتے ہوئے تمام اعضا سکون کے ساتھ ہوں اور دل پوری طرح متوجہ ہو۔

عن عقبہ عامرؓ قال رسول اللہ ﷺ ما من احدیتوضا فیحسن الوضو و یصلی رکعتین یقبل بقلبہ و وجھہ علیھا الا وجبت لہ' الجنۃ .(مسلم شریف)

ترجمہ: عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا؛ کہ جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا۔ پھر پوری توجہ اور خشوع وخضوع کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی۔ تو ایسے شخص پر جنت واجب ہے۔ ان دو رکعت کو پورے اطمینان خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرے۔

نماز پڑھتے وقت تمام اعضا میں سکون ہو۔ غیر ضروری حرکت نہ ہو۔ کیونکہ اعضا کا حرکت میں ہونا سستی اور کاہلی کا مظاہرہ ہے۔ بلکہ طبیعت ہشاش بشاش ہو۔ دل ودماغ پوری طرح متوجہ ہوں۔ پھر ایسی نماز پڑھنے والے شخص کے لیے آپ ﷺ نے جنت کی بشارت دی۔

عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ قال لبلال عند صلوٰۃ الفجر یا بلال حدثنی بارجبی عمل عملۃ فی الا سلام . فا نی سمعت دف نعلیک بین یدیٰ فی الجنۃ . قال ما عملت عملاً ارجیٰ عندی انی لم اتطھر طھوراً فی سا عۃ لیل او نھا ر الا صلیت بذالک الطھو ر .ما کتب لی ان اصلی . (بخا ر ی شریف)

ترجمہ: ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت بلال سے نماز فجر کے وقت فرمایا؛ اے بلال! مجھے بتاؤ۔ کہ تم حالتِ اسلام میں سب سے زیادہ پر امید اجر کونسا عمل کر رہے ہو۔ بے شک جنت میں اپنے آگے آگے تیرے جوتوں کی آواز سنی ہے۔ بلالؓ نے عرض کیا۔ میرا ایسا کوئی عمل نہیں جو بڑا امید اجر ہو۔ ہاں رات اور دن کے اوقات میں جب بھی وضو کرتا ہوں۔ تو اس وضو کے ساتھ نفل نماز پڑھ لیتا ہوں۔ جو میری قسمت میں لکھی گئی ہے۔

اِس حدیث پاک سے چند مسئلے معلوم ہوئے ہیں۔

۱۔ اعمال صالحہ میں نماز سب سے افضل ہے۔

۲۔ حضور ﷺ کا حضرت بلالؓ کے جوتوں کی آواز جنت میں سننا یہ واقعہ خواب کا نہیں

ہے۔ بلکہ حالت بیداری کا ہے۔

۳۔ اس حدیثِ پاک سے ہر وقت باوضو رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے خود باب کا عنوان باندھا ہے۔

باب فضل الطهور بالليل والنهار

جس وقت انسان بے وضو ہو۔ وضو کر لے۔ بغیر وضو کے بعد دو رکعت نماز تحیۃ الوضو ادا کرے کہ حضرت بلالؓ کو فضیلت اسی نماز کی وجہ سے ملی۔ اور حضور ﷺ نے اس عمل کو پسند فرمایا۔

ناقص وضو میں نقصان کا سبب

عن شيب بن ابى روح عن رجل من اصحاب رسول الله ﷺ ان رسول الله ﷺ صلى صلوة الصبح فقرأ الروم فالتبس عليه فلما صلى قال ما بال اقوام يصلون ومعنا لا يحسنون الطهور وانما يلبس علينا القرآن اولئك. (انسائی)

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صبح کی نماز پڑھائی۔ نماز میں سورۃ روم کی تلاوت فرمائی۔ تلاوت میں التباس پیدا ہوا۔ ادائیگی نماز کے بعد فرمایا۔ لوگوں کا کیا حال ہے ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اچھی طرح وضو نہیں کرتے۔ ہم پر قرآن پاک کی تلاوت ملتبس کر دیتے ہیں۔

اِس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ انسان کو وضو کرتے وقت فرائض و واجبات و سنن کا لحاظ کرنا چاہیے اور وضو پوری توجہ سے کرنا چاہیے۔ ورنہ ناقص وضو نہ صرف اپنی نماز کی خرابی کا سبب ہے بلکہ اس کا ناقص وضو دوسروں کی نماز پر بھی اثر انداز ہوگا۔ جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کہ صحیح وضو نہ کرنے کی وجہ سے تلاوت قرآن پاک ہم پر خلط ملط ہو جاتی ہے۔ یعنی تلاوت قرآن مشکل ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ نماز میں خشوع و خضوع کا تعلق اور صحت نماز کا تعلق کامل وضو کے ساتھ ہے۔

وعن رفاعة بن رافع انه كانَ جالساً عندرسول الله ﷺ فقال الهالاتتم صلاة

لاحدِحتیٰ یسبغ الوضو کماامرہ اللّٰہ. (ابن ماجہ)

ترجمہ:۔ آپ ﷺ نے فرمایا کسی کی نماز اُس وقت تک صحیح نہیں ہوگی؛ جب وہ اس طرح مکمل وضو نہ کرے جیسا کہ اللہ نے حکم دیا۔اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وضو کے تمام آداب کا لحاظ رکھا جائے۔ فرائض واجبات وسنن کو صحیح طریقے سے ادا کیا جائے ۔ اور وضو کی ادائیگی میں غفلت سُستی ،اور بے توجہی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔

وعن عبداللّٰہ بن عمرؓ ان رسول اللّٰہ ﷺ رای قوماً واعقابھم تلوح فقال ویل لاعقاب من النار .اسبغوا الوضوء. (مسلم شریف)

ترجمہ:۔عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک قوم کو دیکھا۔کہ وضو کرتے ہوئے ان کی ایڑیوں کا کچھ حصہ خشک رہ گیا۔فرمایا۔ایڑیوں کے لیے خرابی ہو جہنم کی آگ سے۔اپنے وضوؤں کو مکمل کرو۔اس حدیثِ مبارکہ میں آپ ﷺ نے پاؤں کے ذرا بھی خشک رہ جانے پر جہنم کی وعید سنائی۔جس طرح ناقص وضو نماز میں نقصان کا سبب ہے اس طرح ہلاکت کا بھی سبب ہے۔

عن ابی ایوبؓ قال رسول اللّٰہ ﷺ حبذاء المختللون من امتی قالو وما المتخللون یا رسول اللّٰہِ قال المتخللون فی الوضوء اما تخلیل الوضوفالمضمضہ والاستنشاق وبین الاصابح واماتخلیل الطام انہ لیس شیء اشدعلی الملکین من ان یریابین اسنان صاحبھماطعامًا وھوقائم یصلی .

ترجمہ:۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی امت کے خلال کرنے والے لوگوں کی تعریف فرمائی۔عرض کیا گیا۔خلال کرنے والے کون لوگ ہیں۔فرمایا۔وضو میں خلال کرنے سے مراد منہ اور ناک میں صحیح طرح پانی ڈالنا ہے۔ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کی درمیانی جگہوں کو دھونا ہے۔حدیثِ پاک سے واضح ہوا ہے کہ وضو میں انسان منہ، ناک اور انگلیوں کو اچھی طرح صاف کرے۔ورنہ رحمت کے فرشتے اس کے قریب نہیں آئیں گے ؛اور حالتِ نماز میں فرشتوں کا قریب نہ آنا؛نماز میں نقصان اور کمی کا سبب

ہے۔لہٰذا وضو میں منہ اور ناک کا خلال کرنے والوں کی آپ ﷺ نے تعریف فرمائی ہے۔منہ ،ناک اور انگلیوں کا خلال کرنا کامل وضو کی نشانی ہے۔

عن واثلۃؓ قال رسول اللہ ﷺ من لم یخلل اصابعہ بالماء خللھا اللہ باالنار یوم القیامۃ.(الطبرانی)

ترجمہ۔ :حضرت واثلہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا؛ کہ جس شخص نے دورانِ وضو پانی کے ساتھ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال نہ کیا،تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آگ سے انگلیوں کا خلال کرائے گا۔حدیثِ پاک میں ناقصِ وضو پر وعید فرمائی۔وضو کے اہم رکن خلال کو چھوڑ دینے سے انسان کے ثواب میں کمی ہوگی اور نماز میں نقصان کا سبب بنے گا۔جبکہ وضو میں خلال کا رکن ادا کرنے والے کی آپ ﷺ نے تعریف فرمائی اور خلال رکن کی ادائیگی کو نزولِ رحمت کا سبب قرار دیا۔جب انسان نے نماز شروع کی اور اس کے منہ میں طعام کے ٹکڑے باقی ہوں تو یہ بات فرشتوں پر بہت گراں گزرتی ہے۔اور فرشتے ایسے آدمی سے نفرت کرتے ہیں کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اس نے اپنے منہ کو صاف نہ کیا۔طعام کے ٹکڑے اس کے دانتوں میں باقی ہیں؛اور یہ چیز فرشتوں کی دوری کا سبب ہے۔اس لیے فرمایا۔دانتوں کا خلال کرو۔یعنی منہ صاف کر کے نماز شروع کرو۔اور منہ کی صفائی کا بہترین طریقہ مسواک ہے۔دانتوں کا خلال یعنی منہ صاف کرنے والوں کی آپ ﷺ نے تعریف فرمائی۔

ہر وقت باوضو رہنے کی فضیلت

عن ثوبانؓ قال رسول اللہ ﷺ استقیمو ولن تحصوا واعلموا ان خیر اعمالکم الصلوۃ ولا یحافظ علی الوضو الا مومن .(مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ:۔حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔استقامت اختیار کرو۔اور تم اس کی طاقت نہیں رکھ سکتے۔تمہارے اعمال میں نماز سب سے بہتر عمل ہے اور مومن کامل ہی وضو پر محافظت کرتا ہے۔(ہر وقت باوضو رہتا ہے)

اِس حدیثِ پاک میں وضو پر استقامت اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔استقامت ایک امرِ مشکل ہے ۔کہ انسان ہر حال میں یعنی آسانی اور شدت کے وقت اس پر عمل ہمیشگی کرے۔ وضو پر استقامت ایک بھاری عمل ہے۔یعنی ہر شخص ہر وقت باوضونہیں رہ سکتا۔ یہ ایک امر مشکل اور گراں عمل ہے۔اس لیے فرمایا کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھ سکتے ۔صرف کامل لوگ ہی ہر وقت باوضورہ سکتے ہیں۔

ولن تخصوایعنی لن تقد روا علی ذالک الابالجهد

وضو پر استقامت ۔(ہر وقت باوضو رہنا) پوری مکمل کوشش کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔اس حکم کی اطاعت میں انسان کو کوشش تام کرنا پڑے گی ؛اور مومن کامل ہی اس امر کو اختیار کرسکتا ہے۔

لن تقدروا ان تعداثواب من استقام علی الایمان والطاعة

دوسرا مطلب لن تخصوا کا یہ ہے کہ جس شخص نے ایمان اور حکم وضو پر استقامت اختیار کی ؛تو تم اس کے ثواب کو شمار نہیں کر سکتے ہو۔

الدوام علی الوضومن اخلاق المومنین فینبغی للمومنین ان یکون النهار کله علی الوضووینام بالیل علی الوضو فانه اذافعل ذالک یحبه اللّٰه ویحبه الحفظه ویکون فی امان اللّٰه عزوجل.

ترجمہ:۔ ہمیشہ باوضو ہونا مومنین کے اخلاق میں سے ہے۔ پس مومن کے لیے مناسب یہی ہے کہ اس کا پورا دن باوضو گزرے۔اور نیند وضو پر ہو۔جب وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اس کو دوست رکھیں گے ؛اور ایسا شخص اللہ کی حفظ وامان میں ہوگا۔

عن ربیعه الجرشیؓ ان رسول اللّٰهﷺقال استقیمو اونعماان استقم وحافظوا علی الوضو.(اطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ:۔آپﷺ نے ارشاد فرمایا۔استقامت (ہمیشگی اختیار کرو)اور استقامت والے لوگ بہترین ہیں۔وضو پر استقامت اختیار کرو۔یعنی ہر وقت باوضو رہو۔

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ صبح کی نماز میں حضرت بلالؓ کو بلا کر پوچھا:

یا بلالؓ بم سبتقنی الی الجنه.

ترجمہ:۔اے بلالؓ کس عمل کی وجہ سے تو مجھ سے جنت کی طرف سبقت لے گیا۔

جب میں جنت میں داخل ہوا؛ تو اپنے آگے آگے چلنے کی آواز سنی۔تو حضرت بلال نے عرض کیا۔یارسول اللہ ﷺ میں جب بھی بے وضو ہوتا ہوں تو وضو کر لیتا ہوں اور ہر وضو کے بعد دو رکعت نماز تحیۃ الوضو پڑھ لیتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا۔تیرے اِس عمل کی وجہ سے تجھے فضیلت ملی ہے۔اِس حدیثِ مبارکہ سے ہمیشہ باوضو رہنے کی فضیلت معلوم ہوئی ہے۔عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔

قال رسول اللہ ﷺ من توضا علی طھرٍ کتبہ عشر حسنات.(مشکوۃ شریف)

ترجمہ:۔ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فرمایا کہ جس شخص نے وضو ہونے کے باوجود دوبارہ وضو کیا۔اس کو دس نیکیاں ملیں گی۔یہ فضیلت اُس وقت حاصل ہوگی۔جب پہلے وضو سے کوئی نماز پڑھ چکا ہو۔چاہے نفل نماز ہو۔یعنی پہلے وضو کو بغیر عبادت کے خالی نہ چھوڑیں۔

قال بعض اھل المعرفۃ من دوام علی الوضوء اکرمه اللہ تعالی بسیع خصال.

ترجمہ:۔یعنی بعض عارفین نے فرمایا؛ جو ہمیشہ باوضو رہے۔اللہ تعالیٰ اسے سات فضیلتوں سے مشرف فرمائے گا۔

1۔ملائکہ اُس کی صحبت میں رغبت کریں گے۔ 2۔قلم اس کی نیکیاں لکھتا رہے گا۔
3۔اس کے اعضاء تسبیح کریں گے۔ 4۔اُس سے تکبیر اُولیٰ فوت نہ ہوگی۔
5۔جب سوئے اللہ تعالیٰ کچھ فرشتے بھیجے گا؛ کہ جن وانس کے شر سے اس کی حفاظت کریں گے۔
6۔سکرات موت اس پر آسان ہوگی۔ 7۔جب تک باوضو ہو۔امان الٰہی میں رہے گا۔

(فتاویٰ رضویہ۔جلداول)

☆☆☆☆☆

علامہ بدیع الزمان نورسیؒ

تیسری مشکل

بہت وسیع ہے، اتنی کہ ہمارے جیسے تنگ ذہن لوگ اس کا نہ احاطہ کر سکتے ہیں نہ استیعاب، البتہ یہ ہے کہ ہم اس کا دیدار دُور سے کر سکتے ہیں۔۔۔

جی ہاں! عالمِ سفلی کے معنوی ادوات وآلات اور اس کے کلی قوانین جو ہیں وہ اصل میں تو عالم ہائے علوی میں ہیں، اور کرۂ ارض جو کہ محشرِ مصنوعات ہے، اس کی لامحدود مخلوقات کے اعمال کے نتائج اور جن وانس کے افعال کے ثمرات بھی عالم ہائے علوی میں متمثل ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ قرآنِ حکیم کے اشارات، اسم گرامی "الحکیم" اور کائنات میں پائی جانے والی بہت سی علامات وروایات کی شہادت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حسنات جنت کے پھلوں کی شکل و صورت اختیار کر لیتی ہیں اور سیئات جہنم کے پھل زقوم کا رُوپ دھار لیتی ہیں۔۔۔

جی ہاں! بے شک کثرت رُوئے زمین پر بہت زیادہ بکھر چکی ہے اور مخلوقات وافر مقدار میں منتشر و پراگندہ ہیں، اس طرح کہ کرۂ ارض پر مخلوقات کی مختلف اور مصنوعات کی گونا گوں اصناف پائی جاتی ہیں اور یہ اجناس واَصناف جو ہمہ وقت تغیر وتبدل کے عمل سے گزرتی رہتی ہیں اور جن سے یہ زمین بھرتی اور خالی ہوتی رہتی ہے، وہ تمام کائنات میں بھری ہوئی تمام مصنوعات سے کہیں زیادہ ہیں۔۔۔

اور یہ چیز یاد رہے کہ اس کثرت کے اور ان جزئیات کے جو منابع اور معادن ہیں وہ کلی قوانین اور اَسمائے حسنیٰ کی کلی تجلیات ہیں، پس اِن کلی قوانین کے مظاہر اور ان ہمہ گیر اسماء کی کلی تجلیات ہی آسمان ہیں جو کسی حد تک بسیط اور صافی ہیں اور جن میں سے ہر ایک، ایک عالم کے لیے عرش اور چھت کا اور دیگر عالم کے لیے مرکزِ تصرّف کا حکم رکھتا ہے۔ پس اِن تمام جہانوں میں سے ایک جہان جنت الماویٰ ہے جو کہ سدرۃ المنتہیٰ میں ہے۔

اور مخبرِ صادق V کی خبر کے بموجب یہ بات ثابت شدہ ہے کہ زمین میں جو تسبیحات و تحمیدات ہوتی ہیں وہ اس جنت کے پھلوں کا رُوپ دھار جاتی ہیں۔۔۔ پس یہ نقاط ثلاثہ اِس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زمین میں جو نتائج و ثمرات کے خزانے ہیں وہ دراصل وہاں ہیں اور اُن کے محصولات اُسی جانب روانہ رہتے ہیں۔۔۔

اور یہ مت کہو کہ: ''اَلْحَمْدُلِلّٰهِ'' کا کلمہ کہ جس کا تلفظ میں ہَوا میں کرتا ہوں، یہ جنت میں ایک پھل کا جسم کیسے اختیار کر جاتا ہے؟؛ کیونکہ تم دن کے وقت حالتِ بیداری میں کوئی اچھی بات کہتے ہو تو اُسے کبھی رات کے وقت خواب میں ایک خوبصورت میٹھے سیب کی صورت میں کھا لیتے ہو، اور اسی طرح دن کے وقت کوئی گندی گفتگو کرتے ہو تو اسے رات کے وقت کسی تلخ چیز کی صورت میں نگلتے ہو۔ اور جب کسی کی غیبت کرتے ہو تو فرشتے تمہیں وہ غیبت مردار کے گوشت کی صورت میں کھلاتے ہیں۔ لہٰذا پتا چلا کہ تمہارے پاکیزہ کلمات اور بُرے کلمات جو کہ تُم اِس دنیا کی نیند میں بولتے ہو، اُنھیں عالمِ آخرت میں _ جو کہ عالمِ بیداری ہے_ پھلوں کی صورت میں کھاؤ گے۔ اِس لیے یہ ضروری ہے کہ اس چیز کو بعید نہ سمجھو۔۔۔

چوتھی بنیاد

معراج کے ثمرات و فوائد کیا ہیں؟

الجواب: یہ معراج جو کہ معنوی شجرہ طُوبیٰ ہے۔ اِس کے پانچ سو سے زیادہ فوائد اور ثمرات یا پھل ہیں، ہم ان میں سے بطورِ مثال صرف پانچ کا ذکر کریں گے۔۔۔

پہلا پھل

اَرکانِ ایمان کے حقائق کا بچشم و بصر دیدار کرنا اور ملائکہ اور جنت و آخرت کا حتیٰ کہ ذات ذُوالجلال کا آنکھ سے مشاہدہ کرنا۔ پس آپ V نے اِس طرح کائنات کو اور نوعِ بشری کو درخشاں نور، اَزلی خزانہ اور ابدی تحفہ عطا کیا، اور یوں آپ نے اِس کائنات کو وہمی، پست، فانی اور آشفتہ و پراگندہ صورتِ حال سے باہر نکالا اور اس نور اور اس پھل کے ذریعے اس کائنات کی حقیقت کو

آشکار کیا، اور وہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کائنات قدسی صمدانی مکتوبات اور جمال احدیت کو منعکس کرنے والے خوبصورت آئینے ہیں، اس طرح آپ V نے تمام کائنات اور ذی شعور کو خوش کر دیا اور انھیں سرور وشادمانی سے آشنا کر دیا۔۔۔

اور اِسی طرح اس نور اور اس پھل کے ذریعے انسان کو ایسی کیفیت سے نکالا جس میں وہ اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا اور اسے کوئی راستہ بجھائی نہیں دے رہا تھا، پریشان حال، پراگندہ ذہن اور ذلیل تھا، عاجز اور فقیر تھا، اس کی حاجات وضروریات بے حدو حساب اور اس کے دشمن لا انتہا تھے، فانی تھا، بقا بر دوش نہیں تھا۔۔۔ پس آپ V نے اس نور اور اس قدسی پھل کے ذریعے انسان کو اس کی حقیقی صورت میں نمایاں کیا۔ اور اس کی حقیقی صورت یہ ہے کہ وہ احسنِ تقویم سے بہرہ ور ہے اور اُس کی قدرتِ صمدانیہ کے معجزات میں سے ایک عظیمُ الشان معجزہ اور مکتوباتِ صمدانیہ کا ایک نسخۂ جامعہ ہے، سُلطانُ الأزل والابد کا مخاطب اور عبدِ خاص ہے، اُس کا خلیل اور اس کے کمالات کی ستائش کرنے والا ہے۔ اس کا حبیب اور اس کے جمال سے متحیر ہونے والا اور اسے پسند کرنے والا اور اُس کا مہمانِ عزیز اور اُس کی سدا بہار اور ہمیشہ رہنے والی جنت کا اُمیدوار ہے۔۔۔ پس یوں آپ V نے تمام لوگوں کو ۔ جو کہ حقیقی انسان ہیں ۔ بے پایاں سرور اور لا انتہا ذوق وشوق سے نہال کر دیا۔۔۔

دوسرا پھل

آپ V اسلام کے بنیادی احکام لے کر آئے ہیں جن میں نماز سرفہرست ہے؛ جو کہ صانعِ موجودات، صاحبُ الکائنات، حاکمُ الازل والابد ربُّ العالمین کی رضا مندیوں کا نام ہے۔ آپ V نے تمام جن وانس کو یہ نماز ایک بہترین تحفے کی صورت میں لا کر دی ہے۔ بے شک ان ربانی خوشنودیوں کا فہم وادراک انسان کے اندر جھانکنے اور اطلاع پانے کا ایسا شوق اُبھارتا ہے اور اُسے ایسی سعادت سے ہمکنار کرتا ہے کہ جو بیان سے باہر ہے؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے عظیمُ القدر ولی ٔ نعمت اور سلطانِ مُحسن کے مطالب ومقاصد کو ۔ اگرچہ دُور ہی سے سہی ۔ سمجھنا

چاہتا ہے؛ اور جب سمجھ لیتا ہے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا ہے، تب وہ تمنا کرتا ہے اور کہتا ہے: کاش کہ کوئی خبر رسانی کا ایسا ذریعہ ہوتا جس سے میں اپنے آقا و مولیٰ کے ساتھ براہِ راست ہم کلام ہو سکتا اور اچھی طرح سمجھ لیتا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے اور میرے کس عمل و کردار کو پسند کرتا ہے! کیا بات ہے! وہ ہستی کہ جس کے قبضۂ تصرف میں تمام موجودات کی باگ ڈور ہے، اور تمام موجودات میں جو بھی جمال و کمال پایا جاتا ہے وہ اُس ہستی کے جمال و کمال کے بہ نسبت ایک کمزور سا سایہ ہے، اور انسان اس کا لاانتہا جہتوں سے محتاج ہے اور ہر آن اس کے لاانتہا احسانات کا مظہر اور اُس کی نعمتوں سے مالا مال ہے۔۔۔ انسان بالخصوص اس ہستی کے مطالب و مقاصد اور اس کی رضامندیوں کو سمجھنے کا کتنا آرزومند اور مشتاق ہے! اس کی ضرورت تم خود سمجھ سکتے ہو۔۔۔

اب آنجناب V نے سلطانُ الازل والابد کی ان رضامندیوں کو حق الیقین کے ساتھ ستر ہزار پردوں کے پیچھے سے براہِ راست سنا اور انھیں معراج کے پھل کی حیثیت سے نوعِ بشری کو بطورِ ہدیہ دے دیا۔۔۔ انسان کو چاند کے حالات جاننے کا کتنا شوق ہے! اگر کوئی آدمی وہاں جائے اور واپس آ کر اُسے وہاں کے حالات بتائے تو اس کام کے لیے وہ بہت کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ اور اگر اُسے وہاں کے حالات کا پتا چل جائے تو انگشت بدنداں رہ جائے گا اور خود اطلاع پانے کی خواہش کرے گا۔۔۔! اور صورتِ حال یہ ہے کہ چاند جس مالکُ الملک کی مملکت میں محوِ گردش ہے وہاں یہ ایک مکھی کی طرح کرۂ ارض کے اِردگرد گھوم رہا ہے، اور کرۂ ارض سورج کے اردگرد ایک پروانے کی طرح گھوم رہا ہے، اور سورج ہزاروں چراغوں کے مابین ایک ایسا چراغ ہے جو کہ مالکُ الملک ذوالجلال والاکرام کے اِس ایک مہمان خانے میں شمعِ فروزاں کا کام دے رہا ہے۔۔۔

تو رسولِ گرامی V نے اُس ذاتِ ذُوالجلال کے عالمِ بقا میں پائے جانے والے شئون و معاملات کو، اُس کی کاریگری کے عجائبات کو اور اس کی رحمت کے خزانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر واپس آ کر ان چیزوں کا ذکر نوعِ بشر سے کر دیا۔۔۔

پس اگر نوعِ بشر نے آنجناب V کی باتوں کو پورے غور و انہماک، کمال شوق، حیرت، محبت اور استعجاب سے نہ سنا، تو تمھیں خود معلوم ہو جائے گا کہ اس کا فکر و عمل عقل و حکمت کے کتنا خلاف ہے---

تیسرا پھل

آپ V نے ابدی سعادت کا دفینہ دیکھا تو اُس کی چابی پکڑ کر لے آئے اور وہ چابی آپ V نے بطورِ تحفہ جن وانس کے حوالے کر دی۔ جی ہاں، انھوں نے جنت کو دیکھا اور اپنی آنکھ کے ساتھ اور معراج کے وسیلے سے رحمانِ ذُوالجمال کی رحمت کی ابدی تجلیات کا مشاہدہ کیا اور ابدی سعادت کو حق الیقین کے درجے میں سمجھ لیا اور جن وانس کو اِس ابدی سعادت کے وجود کی خوشخبری دے دی۔ اور یہ خوشخبری اتنی بڑی ہے کہ انسان اس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگا سکتا ہے؛ کیونکہ جب جن وانس ایک موہوم سی رُوح فرسا کیفیت سے دوچار تھے، اور وہ یہ کہ اس قرار نا آشنا دنیا اور زوال و فراق کے مابین لڑھکتی ہوئی جتنی بھی موجودات ہیں، سب کی سب سیلِ زمان اور حرکاتِ ذرّات کے سبب عدم اور ابدی فراق کے سمندر میں گر رہی ہیں---

جی ہاں! ایسے رُوح فرسا حالات میں جبکہ یہ فانی جن وانس یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے حق میں انھیں ابدی طور پر معدوم کر دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے، اور پھر اچانک ان کے کانوں کے ساتھ ابدی سعادت کی یہ خوشخبری ٹکرائی تھی---اس بات کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اُن حالات میں اس خوشخبری نے انھیں کتنی خوشی اور خوش بختی کے احساس سے سرشار کر دیا ہوگا! کیونکہ ایک ایسے آدمی کو جسے پھانسی دے کر معدوم کر دینے کا فیصلہ ہو چکا ہو، عین اس وقت معاف کر دیا جائے جب کہ وہ پھانسی گھاٹ کی طرف جا رہا ہو، اور مزید یہ کہ اُسے قصرِ ملکی کے قرب و جوار میں ایک محل بھی دے دیا جائے، تو اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ بات اس آدمی کے لیے کتنی خوشی کا باعث ہوگی؟ اب ان تمام خوشیوں کو جن وانس کی تعداد کے برابر جمع کر لو۔ تاکہ تمھیں اس خوشخبری کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکے---

چوتھا پھل

آپ V نے جمال خدا کی رُویت کا پھل حاصل کیا اور یہ پھل جن وانس کو ہدیہ کر کے آپ نے ہر مومن کے لیے اس سے بہرہ یاب ہونے کو ممکن بنادیا، اب آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ پھل کتنا خوبصورت، لذیذ، شیریں اور پاکیزہ ہوگا۔

ہر وہ انسان جس کے سینے میں دِل دھڑکتا ہے اسے کسی کریم ذوالجمال، ذُوالکمال اور ذوالاحسان کے ساتھ محبت ہوگی۔۔۔اور یہ محبت جمال وکمال واحسان کے درجات کے حساب سے بڑھتی چلی جائے گی تا آنکہ تعبّد اور پرستش کے درجے تک جا پہنچے گی، اور یہ دلدادۂ جمال وکمال اس کے ساتھ ایسے گہرے بندھن کے ساتھ بندھ جائے گا کہ اس پر اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار رہے گا، اور اس کے صرف ایک دیدار کے لیے اپنی ساری دنیا فدا کر دے گا۔۔۔جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ: تمام موجودات میں جو جمال وکمال واحسان پایا جاتا ہے اس کی حقیقت باری تعالیٰ کے جمال وکمال واحسان کے مقابلے میں اتنی بھی نہیں ہے جو کہ چھوٹی چھوٹی تابناک کرنوں کی سورج کے مقابلے میں ہے۔۔۔تو اگر تم انسان ہو تو پھر یہ بات سمجھ سکتے ہو کہ انسان کی کامیابی سعادتِ ابدی کے ساتھ ہمکنار ہونے میں ہے، وہ سعادتِ ابدی جو کہ اس ذاتِ ذُوالجلال کے دیدار سے حاصل ہوتی ہے جو لاانتہا محبت، لاانتہا دیدار اور لاانتہا اشتیاق کی مستحق ہے۔ یہ ثمرہ کتنا پاکیزہ اور خوبصورت ہے جو کہ سعادت کا محور اور فرح وسرور کا دارومدار ہے!۔۔۔

پانچواں پھل

معراج سے یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ انسان کائنات کا گراں قیمت پھل اور صانعِ کائنات کا ناز بردار محبوب ہے۔ آپ V یہ پھل جن وانس کے لیے لے آئے، اور اس پھل کے طفیل آپ V انسان کو۔ جو کہ ایک چھوٹی سی مخلوق، اور کمزور سا اور عاجز ولاچار ذی شعور جاندار ہے۔ ایک ایسے مقامِ عالی تک پہنچا رہے ہیں جو کہ کائنات کی تمام موجودات کے لیے قابلِ فخر ہے؛ اور اُسے ایسے فرح وسرور اور خوش نصیبی سے ہمکنار کر رہے ہیں جو کہ تصور سے کہیں بالا ہے؛ کیونکہ فوج کے ایک

عام سپاہی سے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ: تم فیلڈ مارشل ہو گئے ہو تو وہ کتنا خوش ہوگا! یقیناً اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہے گا۔ اور صورتِ حال یہ ہے انسان بے چارہ جو کہ ایک فانی اور ازبس لاچار حیوانِ ناطق ہے اور ہمیشہ زوال وفراق کے تھپیڑوں کی زد میں رہتا ہے، اسے اگر اچانک کہہ دیا جائے کہ: تو ابدی اور ہمیشہ باقی رہنے والی جنت میں رحمان ورحیم وکریم کی رحمت کا مظہر بن جائے گا۔۔۔ اور تجھے خیال کی سرعت، روح کی وسعت، عقل کی جولانی اور دل میں پائے جانے والے تمام مطالب کے حساب سے اُس کے ملک وملکوت میں سیر وتفریح وگردش کی توفیق دے دی جائے گی، اور پھر تجھے اس سعادتِ ابدی میں اُس کے جمال کے دیدار کی بھی توفیق دے دی جائے گی۔۔۔ تو ایک ایسے انسان کا تصور کرو جس میں انسانیت کی کوئی رمق باقی ہے، اور اندازہ کرو کہ وہ اپنے دِل میں کتنے گہرے فرحت وسرور کا احساس پائے گا؟۔۔۔ اور اب ہم اس انسان سے جو کہ گفتگو سن رہا ہے کہتے ہیں کہ: الحاد کی قمیض تار تار کر کے دُور پھینک دو، مومن کے کان کو زیبِ تن کر لو اور مسلمان کی آنکھوں کو گلے میں لٹکا لو۔ اب ہم دو چھوٹی چھوٹی تمثیلوں کے ساتھ ایک یا دو پھلوں کی قیمت کے درجے کی وضاحت کریں گے۔۔۔

مثال کے طور پر:

ہم اکٹھے ایک وسیع مملکت میں ہیں، وہاں ہمیں ہر چیز اپنی دشمن نظر آتی ہے، اور ہر چیز دوسری چیز کی دشمن اور ہمارے لیے یکسر اجنبی ہے، اور اس کا ہر کونہ ہولناک جنازوں سے بھرا پڑا ہے اور کان میں پڑنے والی ہر آواز یتیموں کا رونا دھونا اور مظلوموں کی نوحہ خوانی ہے۔۔۔ اب عین اس وقت جبکہ ہم اِس صورت حال سے دوچار ہیں، مملکت کا ایک باشندہ بادشاہ کی طرف جائے اور اُس کی طرف سے خوشخبری لائے، اور اِس خوشخبری کے طفیل دیکھتے ہی دیکھتے وہ تمام اجنبی، دوست احباب کا رُوپ دھار لیں؛ اور جن لوگوں کو ہم دشمن سمجھ رہے تھے وہ بھائی بن جائیں۔ اور ہولناک جنازے بندگانِ خدا کی صورت میں نظر آنے لگیں؛ جو خشوع وخضوع اور ذکر وتسبیح میں مگن ہیں، اور یتیمانہ رونا دھونا حمد وثنا پر مشتمل تحیّات کا حکم لے لیں۔ اور موتیں، ڈاکہ زنیاں اور غارت گریاں

آزادیوں اور سبکدوشیوں کی صورت اختیار کر جائیں۔۔۔اور ہم اپنے سرور وشادمانی کے ساتھ ساتھ ان سب کی خوشیوں میں شرکت کر لیں؛ تو ایسے میں تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ خوشخبری کتنی مسرور کن ہوگی؟۔۔۔

پس جب اس کائنات کی موجودات اجنبی، نقصان دہ، پریشان کُن اور وحشت خیز ہیں، اور پہاڑوں جیسے اجرام ہولناک جنازے ہیں، اور اَجل ہر ایک کا سر قلم کر کے اُسے چاہِ عدم میں پھینکے جا رہی ہے، اور تمام آوازیں فراق و زوال سے جنم لینے والے دلدوز نوحے اور درد انگیز نالے ہیں۔۔۔ جب گمراہی کی نظر سے دیکھا جائے _ اور گمراہی کا تصور کچھ اسی طرح کا ہے _، تو پھر ایسے میں جب انھیں اُس نورِ ایمان کی نظر سے دیکھا جائے جو کہ معراجِ محمدی V کا ثمرہ ہے، تو ارکانِ ایمان کے حقائق جو کہ معراج کا ثمرہ ہیں؛ تمہیں دکھائیں گے کہ یہ موجودات تمہارے بھائی بند اور دوست احباب ہیں اور اپنے صانع ذُوالجلال کے ذکر و تسبیح میں مشغول ہیں، اور یہ کہ موت و زوال ایک قسم کی آزادی اور ذمہ داری سے سبکدوشی ہے اور آوازیں درحقیقت تسبیحات ہیں۔۔۔پس اگر تم اس حقیقت کا بتمامہٖ مشاہدہ کرنا چاہتے ہو تو دوسرے اور آٹھویں مقالے کو ایک نظر دیکھ لو۔۔۔

دوسری تمثیل

ہم دونوں ایک بہت بڑے صحرا میں ہیں، ہر طرف ریت کے جھکڑ چل رہے ہیں اور رات اتنی تاریک ہے کہ اپنے ہاتھ تک بھی دکھائی نہیں دے رہے ہیں، بے یار و مددگار ہیں، بھوک ستا رہی ہے اور پیاس سے جان پر بنی ہوئی ہے لیکن پانی کا کہیں دور دور تک نام و نشان نہیں، اور نا اُمیدی نے دل میں ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔۔۔ ایسے میں اچانک ایک نیک دل آدمی ان اندھیروں کے پردے چاک کر کے ہم تک آ پہنچتا ہے اور تحفے میں ایک کار لاتا ہے اور لمحے بھر میں ہمیں اس میں بٹھا لیتا ہے اور ایک جنت نظیر جگہ میں لا اُتارتا ہے، وہاں ہمارا مستقبل محفوظ ہے اور انتہائی مہربان محافظ بھی ہے اور ہر قسم کے ماکولات و مشروبات کا بھی خاطر خواہ انتظام ہے۔۔۔

جانتے ہوایسے میں ہم کتنے خوش ہوں گے؟۔۔۔

پس وہ لق ودق صحرا یہ سطح دنیا ہے، اور ریت کا وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر یہ درماندہ انسان اور موجودات ہیں جو کہ سیلِ زمان اور حرکاتِ ذرات سے جنم لینے والے حوادث کے درمیان بے کل، آشفتہ اور پریشان ہیں۔۔۔اور ہر انسان کو گمراہی کی آنکھ سے دیکھنے کی وجہ سے اپنا مستقبل ہولناک تاریکیوں میں غلطاں وپیچاں نظر آرہا ہے جس کے بارے میں سوچ سوچ کر اس کا دل انگاروں پر لوٹ رہا ہے لیکن کوئی اُس کی فریادرسی نہیں کر رہا ہے، اور حالت یہ ہے کہ وہ بھوک پیاس کی شدت سے جاں بلب ہو چکا ہے۔۔۔

اوراس طرح جب اِس دنیا کواللہ تعالیٰ کی خوشنودیوں کے ساتھ جو کہ معراج ہی کے ثمرات ہیں انتہائی مہربان ذات کا مہمان خانہ سمجھا جائے، اس کے باسیوں کواس کے مہمان اور ملازم سمجھا جائے، مستقبل کو جنت کی طرح خوبصورت اور سعادت ابدی کی طرح تابناک سمجھا جائے، تو یہ بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی کہ معراج کتنا پاکیزہ، خوبصورت اور میٹھا پھل ہے!۔۔۔

اب وہ معزز انسان جو کہ ہماری بات سن رہا ہے، کہتا ہے: اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں الحاد سے بچ گیا اور توحید میں داخل ہو گیا، میرا اعتقاد پختہ ہوا اور میں کمالِ ایمان سے سرفراز ہو گیا۔۔۔اور ہم کہتے ہیں: اے بھائی! ہم تمہیں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسولِ کریم V کی شفاعت کا مظہر بنائے۔ آمین۔۔۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مَنِ انْشَقَّ بِاِشَارَتِهِ الْقَمَرُ، وَنَبَعَ مِنْ اَصَابِعِهِ الْمَاءُ كَالْكَوْثَرِ، صَاحِبِ الْمِعْرَاجِ وَ مَازَاغَ الْبَصَرُ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ. مِنْ اَوَّلِ الدُّنْيَا اِلٰی آخِرِ الْمَحْشَرِ... ﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا... رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ... ﴿وَآخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾...

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ کے سالانہ عرس مبارک پر چراغاں کا ایک روح پرور منظر

سدرہ شریف میں سید عبداللہ المعروف سید بادشاہ الجیلانیؒ کے مزار پُر انوار کا ایک منظر
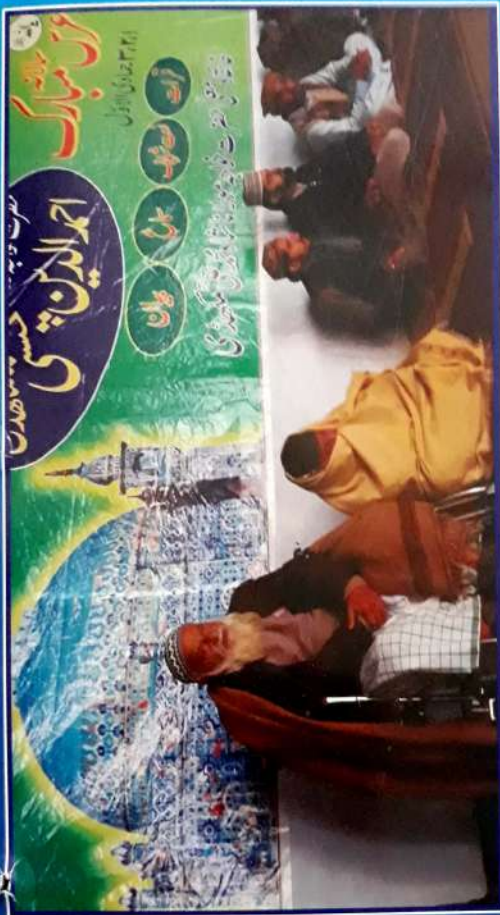
حضرت مولانا محمد احمد الدینؒ کے ۶۸ سالانہ عرس مبارک کی محفل کا ایک منظر